مجددین اسلام
تعارف و کارہائے نمایاں
ابو فاضل بشارت
ادارہ الفضل آن لائن لندن

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ

كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا

(سنن ابوداؤد کتاب الملاحم بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي قَرْنِ الْمِائَةِ)

مجدد دین اسلام

تعارف و کارہائے نمایاں

مرتبہ: ابو فاضل بشارت (ایم اے عربی و تاریخ)

ادارہ الفضل آن لائن لندن

رابطہ کرنے کے لیے

ویب سائٹ:	www.alfazlonline.org
ای میل ایڈریس:	info@alfazlonline.org
فون نمبر:	++44 79 5161 4020

آن لائن ایڈیشن

پیش لفظ

حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت اور ان میں اتفاق و اتحاد کے لیے بے مثال مساعی فرمائیں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے امت میں وحدت و یگانگت پیدا فرمائی اور اُس زمانہ میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ لیکن آپؐ نے اپنے بعد امت مسلمہ پر آنیوالے نازک حالات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

”یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ کا حال ہوا اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔“ (ترمذی ابواب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ)

لیکن اس تنبیہ کے ساتھ ہی آپؐ نے یہ بشارت بھی فرمائی کہ

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا

(سنن ابوداؤد کتاب الملاحم بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي قَرْنِ الْمِائَةِ)

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ کھڑے کرتا رہے گا جو اس امت کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

پس امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ مرور زمانہ کی وجہ سے نفسانی خواہشات کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات میں جب جب بھی بگاڑ پیدا ہونے کا خدشہ پیدا ہو گا تب تب اللہ تعالیٰ ایسے پاک وجودوں کو بھیجے گا جو دین کی تجدید کا کام کریں گے۔

چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام جو بانیٔ جماعت احمدیہ بھی ہیں، فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ ہر صدی پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین کے اس حصے کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہو۔“ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 2)

زیر نظر کتاب میں عالم اسلام کے مختلف خطوں کے 14 معروف مجددین کا ذکر خیر ہے جو 14 صدیوں کے سر پر اصلاح امت کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھیجے۔ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ہر صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہوئے بلکہ ان کے علاوہ بھی کئی ایسے علمائے امت و بزرگان ایسے ہیں

جنہوں نے اسلام کی کئی گنا بڑھ کر خدمات سر انجام دیں اور انہیں بھی مجدد مانا جاتا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد کوئی صدی مجددین امت سے خالی نہ رہی جنہوں نے اسلام کا بیرونی حملوں سے دفاع کیا اور امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

حضرت رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق مجددین کا یہ مبارک سلسلہ پہلی صدی کے سر سے شروع ہو کر چودھویں صدی تک ممتد ہوا۔ پہلی تیرہ صدیوں کے مجددین امت پر تو امت مسلمہ کا اتفاق ہے لیکن چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام جو مجدد الف آخر بھی ہیں کو امت مسلمہ کی اکثریت نے تسلیم نہ کیا جبکہ جماعت احمدیہ، اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو جاری وساری مانتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد قائم ہونیوالی خلافت کے ماتحت ہر صدی میں ائمہ و صلحاء پیدا ہوتے رہیں گے جو خلیفۂ وقت کی رہنمائی میں تجدید دین کا کام سر انجام دیتے رہیں گے۔

زیر نظر کتاب میں چودہ صدیوں کے چودہ معروف مجددین کا تعارف اور ان کی خدمات اور کارہائے نمایاں کا مختصراً ذکر ہے۔ جو مکرم ابو فاضل بشارت (ایم اے عربی و تاریخ) نے عربی کتب سے خود ترجمہ کر کے مستند حوالہ جات کے ساتھ قارئین الفضل کے لیے تحریر کیے۔ جن کی اشاعت 17 جون 2020ء سے شروع ہو کر 13 اگست 2022ء تک مختلف اوقات میں ہوئی۔ جس کی تفصیل مع تاریخ اشاعت اور لنک اس کتاب کے آخر پر ترتیب کے ساتھ ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

یہ اہم تاریخی کتاب، ادارہ الفضل آن لائن لندن کی چھٹی کاوش ہے جو منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس علمی مائدہ کو قارئین کرام کے لئے کتابی شکل میں پیش کرنے میں مکرم زاہد محمود نے تعاون فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ تعالی خیرا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

حنیف محمود

ایڈیٹر روزنامہ الفضل آن لائن

13-09-2022

فہرست مضامین

پہلی صدی کے مجدد

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

مقبرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

”یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف بھی ایک رسول بھیجا تھا۔“

(المزمل:15)

رسول کریمؐ کی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کامل مماثلت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپؐ کے بعد امت محمدیہ میں مثل انبیائے بنی اسرائیل ایسے وجود آئیں جو دین کامل کا احیائے نو کریں۔ اس بارہ میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ کھڑا کرتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ (سنن ابو داؤد) پس امت محمدیہ میں ہر صدی پر مجدد تجدید دین کے لیے آتے رہے اور اور چودھویں صدی کے مجدد مسیح ومہدیؑ ہیں۔ اس سلسلہ میں ان چودہ مجدد دین کے تعارف وسیرت کا ذکر کیا جائے گا۔

پیدائش ونام ونسب

آپ کا نام عمر اور ابو حفص کنیت تھی۔ آپ کے والد محترم کا نام عبد العزیز اور والدہ کا نام ام عاصم ہے۔ آپ کے والد بنو امیہ میں ایک ممتاز اور خاص مقام رکھتے تھے اور مصر کے گورنر تھے۔ اور ان کے گورنری کا زمانہ قریباً اکیس سال کے ایک طویل عرصہ پر محیط تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی والدہ ام عاصم حضرت عاصم بن عمر بن خطابؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر خلیفہٴ راشد آپ کے پڑنانا ہوئے۔

نافع سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: ”کاش اپنی اولاد میں سے مجھے وہ شاندار شخص معلوم ہو تا جو زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری ہو گی۔“

(طبقات ابن سعد جزء5 صفحہ 330)

عبد اللہ بن دینارؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہم لوگ بیان کیا کرتے تھے کہ یہ حکومت ختم نہ ہو گی تاوقتیکہ اولاد عمرؓ میں سے اس امت کا والی ایک ایسا شخص نہ ہو جو عمرؓ کے نقشِ

قدم پر چلے اور چہرے پر ایک مسّا ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ عمر بن عبد العزیز کو لایا، ان کی والدہ ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن الخطاب تھیں۔"

(طبقات ابن سعد جزء5 صفحہ 330)

اس پیشگوئی کے مصداق حضرت عمر بن عبد العزیز مصر کے ایک گاؤں حلوان میں 62ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ ذہبی کے نزدیک آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی۔

(تاریخ الخلفاء جزء1 صفحہ 171، تذکرۃ الحفاظ جزء1 صفحہ 118)

تعلیم و تربیت

آپ کا بچپن مدینہ منورہ میں گزرا اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے زیر سایہ تربیت پائی اور صالح بن کیسان اتالیق مقرر ہوئے۔ بچپن میں ہی آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور فصاحت وبلاغت اور شعر وشاعری میں مہارت حاصل کی اور مدینہ کے متعدد علماء وفقہاء سے علم حاصل کیا۔ علوم دینیہ میں آپ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ علامہ ذھبی لکھتے ہیں: "آپ بڑے امام، بڑے فقیہہ، بڑے مجتہد، حدیث کے بڑے ماہر اور معتبر، حافظ، سند اور نرم خو تھے۔"

(تذکرۃ الحفاظ جزء1 صفحہ 118)

میمون بن مہران کہا کرتے تھے کہ ہم عمرؒ کے پاس اس خیال سے آئے تھے کہ ہم سے وہ کچھ سیکھ سکیں لیکن ہم کو معلوم ہوا کہ ہم خود ان کے شاگرد ہیں۔ آپ کے نزدیک علماء شاگردوں کی طرح ہوتے تھے۔"

(تذکرۃ الحفاظ جزء1 صفحہ 118)

مدینہ کی گورنری

حضرت عمر بن عبد العزیز 87ھ تا 93ھ مدینہ کے گورنر رہے۔ اس دور میں مکہ اور طائف بھی ان کے زیر حکومت تھے۔ آپ نے مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کروائی اور ولید بن عبد الملک کے ایماء پر مسجد میں ایک فوارہ بھی تعمیر کروایا۔ مسجد نبوی کے ساتھ اطرافِ مدینہ کی مساجد جن میں رسول اللہؐ نے نماز ادا فرمائی تھی ان کو منقّش پتھروں سے تعمیر کروایا۔

(فتح الباری جزء1 صفحہ 571)

مدینہ میں مختلف جگہوں پر کنوئیں کھدوائے۔ آپؒ نے متعدد بار امیر الحجاج کا فریضہ سر انجام دیا۔ 93ھ میں ولید بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو بوجوہ معزول کر کے خالد بن عبد اللہ کو مکہ کا اور عثمان بن حیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔

(تاریخ طبری جزء4 صفحہ 11 تا 19)

سلیمان بن عبد الملک کی وفات اور خلعتِ خلافت

ولید بن عبد الملک کے بعد سلیمان بن عبد الملک خلیفہ مقرر ہوئے۔ سلیمان کو آپؒ پر بے حد اعتماد تھا اور اہم امور میں آپ سے مشورہ و معاونت لیتا تھا۔ 99ھ میں سلیمان بن عبد الملک کی وفات ہوئی تو رجاء بن حیات نے بنو امیہ کو مسجد وابق میں جمع کر کے ان سے نئے سرے سے سلیمان کے فرمان پر نئے خلیفہ کے لیے بیعت لی اور حسب فرمان حضرت عمر بن عبد العزیز کو اٹھا کر منبر پر کھڑا کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز انّا للہ پڑھ رہے تھے کہ یہ بارِ عظیم مجھ پر کیسے آن پڑا اور دوسری طرف ہشام بن عبد الملک اس لیے انّا للہ پڑھ رہا تھا کہ خلافت مجھے کیوں نہیں ملی۔

بیعت ہو جانے کے بعد سلیمان بن عبد الملک کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی۔ تجہیز و تکفین کے بعد شاہی سواری آئی لیکن آپ نے اسے ناپسند کیا اور اپنے خچر پر سوار ہو گئے۔ لوگوں نے قصر خلافت کی طرف لے جانا چاہا تو فرمایا کہ جب تک سلیمان کے اہل و عیال وہاں سے منتقل نہ ہوں میں اپنے خیمہ میں رہوں گا۔

(تاریخ طبری جزء4 صفحہ 60، طبقات ابن سعد جزء5 صفحہ 338)

خدمات وکارنامے

آپ کی خلافت کے بارہ میں لوگوں نے خوابیں دیکھی تھیں۔ خلافت کا آغاز آپ نے امن کے پیغام سے کیا۔ کتاب اللہ، دین اللہ اور سنت رسول کو مستحکم کرنے اور اپنانے پر زور دیا۔

(سیرۃ عمر بن عبد العزیز جزء1 صفحہ 36-40)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسلمانوں میں جمہوریت کو از سر نو زندہ کیا اور اسلامی سیاست کی تجدید کر کے اس کو صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق مقرر کر دیا۔ خلافت اسلامیہ کی بنیاد کتاب و سنت اور آثار

صحابہ پر قائم کی۔ اسی بناء پر علمائے امت نے ان کو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے اور پہلی صدی کا مجدّد قرار دیا ہے۔ بنو امیہ کے حکمرانوں نے لوگوں کے مال و جائداد پر جو ظالمانہ قبضہ کیا تھا ان کو واپس دلانا ایک مجدّد خلافت اسلامیہ کا سب سے اولین فرض تھا۔ آپ نے سب سے پہلے یہی کام کیا جس پر خاندانِ بنو امیہ نے برہمی کا اظہار کیا۔ باغِ فدک جس پر ان کے خاندان کی معاش کا دارومدار تھا۔ خلیفہ بنتے ہی فدک کے متعلق رسول اللہ ؐ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کا پتہ کیا جب حقیقت کا پتہ چلا تو آپ نے قریش اور دیگر قبائل کو جمع کر کے کہا کہ فدک آنحضور ؐ کے ہاتھ میں تھا، ان کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور بعد میں حضرت عمرؓ اس کا انتظام فرماتے رہے۔ آخر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر میں داخل کر لیا اس کے بعد وہ میرے قبضہ میں آیا اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو حالت عہد رسالت میں تھی اس کو اسی طرف لوٹاتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب فی صفایا النبیؐ من الاموال، طبقات ابن سعد جزء 5 صفحہ 388)

آپ اسلامی تاریخ میں ایک فاتح کی حیثیت سے تو معروف نہیں لیکن آپ کا عہد خلافت جنگی مہمات سے خالی نہ تھا۔ 100ھ میں عراق میں فرقہ حروریہ نے سر اٹھایا تو آپ نے خود بسطام سردارِ خوارج کو خط لکھ کر مناظرہ کی دعوت دی۔ بسطام نے دو افراد کو مناظرے کے لیے بھیجا جو ناکام رہے۔ نتیجتاً جنگ ہوئی اور انہوں نے شکست کھائی۔

(تاریخ طبری جزء 4 صفحہ 62)

وفات و تدفین

حضرت عمر بن عبد العزیز نے 25 رجب 101ھ میں زہر خورانی کی وجہ سے بیس روز بیمار رہنے کے بعد بمقام دیر سمعان وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی وفات ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ اس وقت آپ کی عمر 39 برس تھی۔ آپ دو برس، پانچ مہینے اور چار دن مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔

(طبقات ابن سعد جزء 5 صفحہ 408، تاریخ طبری جزء 4 صفحہ 68)

آپ نے اپنی قبر کے لیے زمین اپنی زندگی میں ہی خرید لی تھی اور خالد بن ابی بکر سے مروی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے وصیت کی تھی کہ انھیں پانچ سوتی کپڑوں کا کفن دیا جائے جن میں کرتہ اور

عمامہ بھی ہو۔ انہوں نے کہا کہ ابن عمرؓ کے اعزہ میں سے جو مرتا تھا وہ اس کو اسی طرح کفن دیتے تھے۔ بوقتِ وفات آپ کی زبان پر سورۃ القصص کی آیت 84 تھی۔

(طبقات ابن سعد جزء 5 صفحہ 406)

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ شاہ روم نے نہایت غمزدہ حالت میں مجھے بتایا کہ مرد صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہو گیا پھر کہا "اگر عیسی علیہ السلام کے بعد کوئی مُردوں کو زندہ کر سکتا تو حضرت عمر بن عبد العزیز ہی کر سکتے تھے، مجھے اس راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں جس نے اپنے دروازے کو بند کر کے دنیا کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا، مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور اس نے اس کو پامال کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی۔"

(تاریخ دمشق لابن عساکر جزء 56 صفحہ 15)

ازواج واولاد وسیرت

حضرت عمر بن عبد العزیز کی تین بیویاں تھیں جن میں سے ایک بیوی عبد الملک بن مروان کی صاحبزادی فاطمہ بنت عبد الملک تھیں۔ اس کے علاوہ ایک ام الولد تھی۔ آپ کی اولاد کی مجموعی تعداد 16 تھی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز درویش صفت، نہایت خوش خلق، حلیم الطبع، متحمل مزاج اور نرم خو انسان تھے۔ دنیاوی شان وشوکت سے بالکل بیزار تھے۔ آپ اپنی امارت کے دور میں نہایت شان وشوکت سے رہتے تھے لیکن خلافت کے زمانہ میں نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ لباس اور غذا نہایت سادہ تھی۔ متانت، سنجیدگی اور شرم و حیا کا پیکر تھے۔ رحمدلی ان کا خاص وصف تھا۔ اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے۔ آپ ہمیشہ علماء کی قدر کیا کرتے تھے اور ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ عبادات کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ عام معمول یہ تھا کہ شام ہونے کے بعد آدھی رات تک امور خلافت انجام دیتے، آدھی رات کے بعد علماء سے صحبت رکھتے اور رات کا پچھلا پہر عبادت میں گزارتے۔ نماز فجر پڑھنے کے بعد پھر حجرے میں چلے جاتے اور اس وقت کوئی دوسرا نہیں جا سکتا تھا۔ آپ نے تقویٰ اور پرہیز گاری سے زندگی کو گزارا۔ بلاشبہ آپ صدق میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، عدل میں حضرت عمر فاروقؓ، حیا میں حضرت عثمان

غنیؓ اور زہد میں حضرت علیؓ کے مثیل تھے۔ آپ نے احیائے شریعت، ترویج سنت نبویہ، امحائے بدعات اور تحفظ عقائد کے لیے بہت سعی کی اور اسے ایک خلیفہ کا نصب العین قرار دیا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ ؐ کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز کے سوا کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ؐ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو۔“

(سنن ابو داؤد جلد اول حدیث نمبر 886)

یحیٰ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے اور بہت خشیت الٰہی رکھتے تھے۔ محبت رسول ؐ اور محبت اہل بیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے بنو امیہ کے دور سے جاری بد رسم خطبہ میں حضرت علیؓ کے خلاف الفاظ کے استعمال کو ختم کروایا۔

(طبقات ابن سعد جزء5، سیرت عمر بن عبد العزیز جزء1 صفحہ 47)

کارہائے نمایاں

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت میں خلفائے راشدین کے عدل و انصاف اور مساوات کو قائم کر دکھایا۔ آپ نے اپنے پڑنانا حضرت عمر بن خطابؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی رعایا کا خاص خیال رکھا۔ آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے لوگ اتنے خوشحال تھے کہ یحی بن سعید کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم پر میں نے افریقہ میں صدقہ وصول کرکے اسے فقراء میں تقسیم کرنا چاہا تو مجھے کوئی فقیر نہ ملا کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے لوگوں کو امیر بنا دیا تھا پھر میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے۔

(سیرت عمر بن عبد العزیز لابن عبد الحکم جزء1 صفحہ 65)

آپ نے رعایا کے اموال اور حقوق کی حفاظت کی۔ جا بجا سرائے بنوائے، مہمان خانے تعمیر کروائے اور غرباء و مساکین کے لیے ایک لنگر خانہ بنوایا۔ آپ کی خلافت کا زمانہ بہت کم تھا لیکن پھر بھی آپ نے بہت سی اصلاحات کیں اور خلافت کو اس سطح پر لائے جس پر خلفائے راشدین کی خلافت تھی۔ آپ نے بدعات کا خاتمہ کیا۔ بیت المال کی اصلاح کی۔ ذمیوں کے حقوق اور ان کے مذہبی مقامات کو پورا تحفظ دیا۔

(طبقات ابن سعد جزء5، سیرت عمر بن عبد العزیز جزء1 صفحہ 63)

آپ نے اپنے عہد میں بہت سی مساجد تعمیر کروائیں اور حدود حرم کی تجدید کروائی۔ اپنی زندگی میں صرف ایک محل خناصرہ میں تعمیر کروایا جس میں اکثر رہا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد، نھر الذھب فی تاریخ حلب جزء 1 صفحہ 68)

آپ نے بادشاہوں کو بذریعہ خطوط اسلام کی دعوت دی اور ان میں سے بعض نے اسلام بھی قبول کیا اور اپنے نام عربی میں رکھے۔

(فتوح البلدان از علامہ بلاذری جزء 1 صفحہ 425)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے دور خلافت میں لوگوں میں روحانیت کو فروغ دیا اور نیکی و بھلائی کی طرف تحریض دلائی حتیٰ کہ نیکی پر ترغیب دلانے کی خاطر انعامات دینے کا بھی اعلان فرمایا جس کا بہت مثبت نتیجہ نکلا۔

(سیرۃ عمر بن عبد العزیز جزء 1 صفحہ 121)

تدوین حدیث کی طرف آپ کی خصوصی توجہ تھی اور قاضی ابو بکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ ”احادیث نبویہ کی تلاش کرکے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے اور نبی کریمؐ کی حدیث کے علاوہ کوئی حدیث قبول نہ کی جائے۔“

(بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

آپ نے نہ صرف تدوین احادیث نبویہ فرمائی بلکہ اس کی تعلیم واشاعت کے لئے گورنروں اور عمّال کو تلقین کی کہ ممالک میں علماء بھجوائے جائیں اور مدرس و علماء و طلباء کے لیے وظائف مقرر کئے۔

(سیرت عمر بن عبد العزیز لابن عبد الحاکم جزء 1 صفحہ 141، جامع بیان العلم جزء 1 صفحہ 647، تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک یونانی حکیم اہرن القس کی کتاب کا عربی ترجمہ جو ماسر جیس نے مروان بن حکم کے زمانہ میں کیا تھا اور شاہی کتب خانے میں متروک پڑی تھی۔ آپ نے اسے چالیس روز استخارہ کرنے کے بعد شائع کرواکے ممالک میں تقسیم کر دیا۔

(اخبار العلماء باخبار الحکماء جزء 1 صفحہ 243)

خلافت راشدہ کی یادِ نو

غرضیکہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت ایسی تھی جس نے مسلمانوں میں خلافت راشدہ کی یاد از سر نو تازہ کر دی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: "حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے، انھوں نے اپنی تمام تر توجہ خلفائے راشدین اور صحابہؓ کے طریقہ کی طرف مبذول کی۔"

(تاریخ ابن خلدون جزء 1 صفحہ 258)

معروف شاعر فرزدق نے آپ کی وفات پر حسرت سے کہا:

كَمْ مِنْ شَرِيْعَةِ حَقٍّ قَدْ شَرَعْتَ لَهُمْ
كَانَتْ أُمِيْتَتْ وَ أُخْرىٰ مِنْكَ تُنْتَظَرُ
يَا لَهْفَ نَفْسِیْ وَ لَهْفَ اللَّاهِفِيْنَ مَعِی
عَلَى الْعُدُوْلِ الَّتِی تَغْتَالَهَا الْحُفَرُ

ترجمہ: کتنی مردہ سچی شریعتوں کو آپ نے جاری کیا اور دوسری (شریعتیں) تعامل کے لیے منتظر تھیں۔ میرا افسوس اور میرے ساتھ تمام افسوس کرنے والوں کا افسوس ان عادل لوگوں پر جن کو قبروں نے ہلاک کر دیا۔

(سیرۃ عمر بن عبد العزیز لابن جوزی صفحہ 335)

دوسری صدی کے مجدد

حضرت امام شافعیؒ
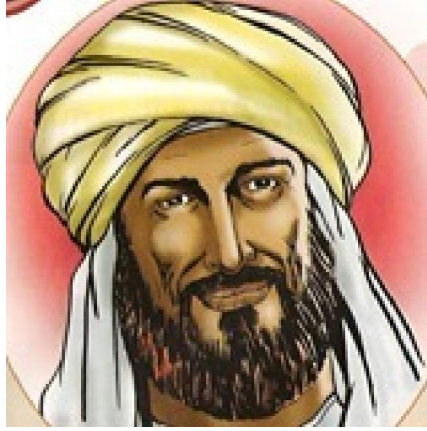
شبیہ حضرت امام شافعیؒ

مقبرہ حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ

نام و نسب

آپ کا نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ناصر الحدیث تھا۔ آپ کے والد محترم ادریس بن عثمان بن شافع تھے۔ اپنے پڑدادا شافع بن سائب کی نسبت کی وجہ سے آپ "شافعی" کہلوائے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف۔ آپ کا تعلق قریش کی شاخ بنوہاشم سے تھا اور عبد مناف پر جا کر آپ کا سلسلہ نسب رسول کریمؐ سے جاملتا ہے۔ آپ کے جد امجد سائب بن عبید غزوہ بدر میں بنوہاشم کے علمبر دار تھے۔ جنگ میں قیدی بنے اور فدیہ دے کر رہائی پا کر اسلام قبول کیا۔

آپ کی والدہ ایک صالحہ، حاذقہ، عالمہ اور مجاہدہ خاتون تھیں۔ بعض مؤرخین کے نزدیک وہ ہاشمیہ تھیں اور ان کا نام فاطمہ تھا جبکہ دیگر مؤرخین کے نزدیک ان کا تعلق یمن کے قبیلہ ازد سے تھا اور ان کی کنیت ام حبیبہ تھی۔ بہر حال ان کا یہی شرف کافی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ایک عظیم امام کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔

پیدائش

آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ مشتری (ستارہ) ان کے بطن سے نکلا اور مصر پر ٹوٹا اور اس کے روشن ٹکڑے ہر شہر میں جا گرے۔ معبرین نے اس کی تعبیر یہ کی کہ ایک عظیم عالم ان کے بطن سے پیدا ہوگا جو بلاد اسلام کو علم سے بھر دے گا۔

(مناقب شافعی للرازی صفحہ 36)

ان پیشگوئیوں کے مطابق امام شافعی 150ھ میں فلسطین کے شہر "غزہ" میں پیدا ہوئے۔ 150ھ وہی سال ہے جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی۔

(توالی التاسیس لابن حجر عسقلانی جزء 1 صفحہ 49)

تعلیم و تربیت

آپ کے والد ادریس نے روزگار کی تلاش میں مکہ سے فلسطین ہجرت کی تھی اور آپ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پاگئے۔ اس کے بعد آپ کی والدہ آپ کو عسقلان کے بعد یمن لے گئیں۔ دس سال کی عمر میں آپ کی والدہ نے اس ڈر سے کہ خاندان سے دوری کے سبب آپ کا شریفانہ نسب بھلانہ دیا جائے اور اس بات کے پیش نظر کہ امام شافعی کی صحیح تربیت غزہ کی بجائے مکہ میں ہی ہو سکتی ہے جہاں ان کا خاندان اور قبیلہ آباد ہے، مکہ کی طرف رخت سفر باندھا۔ مکہ میں آپ کو ایک ماہر علم الانساب کے پاس بھیجا گیا اس نے آپ کو طلب علم سے قبل کوئی ذریعہ معاش بنانے کی تلقین کی تو آپ نے فرمایا: ”میری لذت تو حصول علم میں ہے۔“

(توالی التاسیس جزء1 صفحہ 109-110)

پھر ایک مکتب میں آپ غربت کی وجہ سے معلم کی پوری اجرت نہ دینے کی وجہ سے اس کی صحیح نظر التفات نہ پاسکے۔ جب معلم تدریس سے فارغ ہو جاتا تو امام شافعی بچوں کو کتاب پڑھایا کرتے۔ اس یتیم ذکی الفہم قریشی بچے کا حافظہ بلا کا تھا۔ معلم بچوں کو کوئی آیت املاء کروا رہا ہوتا تھا تو املاء کے اختتام تک آپ نے وہ آیت حفظ کرلی ہوتی تھی جب معلم نے یہ دیکھا تو ایک دن کہا کہ میرے لیے جائز نہیں کہ میں آپ سے کوئی اجرت لوں۔ چنانچہ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا اور مؤطا امام مالک دس سال کی عمر میں یاد کرلی۔

(مناقب شافعی للبیہقی جزء1 صفحہ 94)

آپ کو علم کے ساتھ کھیل کا بھی شوق تھا۔ تیر اندازی اور گھڑ سواری میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ بھاگتے گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہو جاتے تھے۔ آپ نے اس بارہ میں ایک کتاب ”کتاب السبق والرمی“ بھی لکھی۔

(مناقب الشافعی للبیہقی جزء2 صفحہ 127-129)

مبشر خوابیں

آپ کا حقیقی علم تو خدا داد تھا جو رسول اللہؐ کے توسّل سے آپ کو موہبت ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے! تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ کے قبیلہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: میرے قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو آپؐ نے اپنا لعاب دہن میری زبان، منہ اور ہونٹوں پر لگایا اور فرمایا کہ جاؤ، اللہ تم پر برکت نازل فرمائے۔''

(مناقب شافعی للرازی صفحہ 36)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اور دفعہ خواب میں رسول اللہؐ کو مسجد الحرام میں لوگوں کی امامت کرتے دیکھا۔ نماز کے بعد میں رسول اللہؐ کے قریب ہوا اور عرض کی کہ مجھے بھی سکھایئے۔ تو رسول اللہؐ نے اپنی آستین سے ایک میزان (ترازو) نکال کر مجھے عنایت فرمائی اور فرمایا یہ تیرے لیے ہے (اللہ تجھے ہدایت دے)۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک معبر کے پاس اپنی یہ خواب بیان کی تو اس نے کہا کہ آپ رسول اللہؐ کی سنت پر قائم ہوتے ہوئے امام اور عالم بنیں گے۔ کیونکہ مسجد الحرام کا امام تمام ائمہ سے افضل ہے اور جہاں تک میزان کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپکو علم حقائق الاشیاء سے نوازا جائے گا۔

(مناقب شافعی للرازی صفحہ 36)

تعلیم فقہ اور امام مالک کی شاگردی

امام شافعی نحو وادب سیکھنے کے لیے نکلے تو مفتی مکہ مسلم بن خالد زنجی نے شافعی کو ان کی ذہانت اور کمال حافظہ کی وجہ سے علم فقہ سیکھنے کا مشورہ دیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ''میں ساری رات اس بارہ میں سوچتا رہا پھر ایک خواب کی بنیاد پر فقہ سیکھنا شروع کیا''۔ آپ کی ذہانت، ذکاوت اور قوت حفظ کی وجہ سے مسلم بن خالد آپ سے کافی مانوس تھے اور فقہ وحدیث کی تعلیم تین سال تک دی۔ بعد میں آپ کی خواہش پر ایک خط دے کر مدینہ امام مالکؒ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت آپ کی عمر قریباً 13 برس تھی۔ امام مالک نے امام شافعی کو سب سے پہلی نصیحت یہ کی کہ ''اے محمد! اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور معاصی سے بچتے رہنا۔

یقیناً اللہ عنقریب تمہاری شان ظاہر کر دے گا"۔ پھر فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر نور ڈالا ہے تم اسے معصیت سے بجھا نہ دینا۔ پس کل جہاں سے مؤطا پڑھنی ہے لے کر آنا"۔ امام شافعی نے کہا کہ میں اپنے حافظہ سے اسے پڑھوں گا۔ اگلے روز جب امام مالک نے آپ سے مؤطا سنی تو آپ کی قراءت انہیں بہت پسند آئی اور انہیں اپنی شاگردی میں لے لیا۔ پھر امام مالک کی وفات تک آپ نے مدینہ میں زانوائے تلمذ تہ کیا۔ اس دوران صحابہ کرام، تابعین اور امام مالکؒ کی فقہ کو اچھی طرح سمجھا اور یاد کیا۔

(مناقب الشافعی للرزای صفحہ 39)

امام مالک، مفتی مکہ مسلم بن خالد زنجی اور دیگر فقہائے مدینہ نے آپ کی قابلیت کو جاننے کے بعد متفقہ طور پر پندرہ سال کی عمر میں انہیں فتوی دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(توالی التاسیس جزء 1 صفحہ 124)

یمن کی طرف سفر اور نجران کی ولایت

امام مالکؒ کی وفات کے بعد غربت کی وجہ سے والی یمن کے ساتھ چلے گئے جہاں آپ نے اپنے مفوضہ امور کو ایمانداری اور محنت سے انجام دیا کہ لوگ بھی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ کچھ عرصہ بعد نجران کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی جہاں بنو حارث اور موالی ثقیف نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے آپ کو رشوت دینا چاہی جسے آپ نے قبول نہ کیا اور بغیر کسی رعایت کے عدل و انصاف کا قیام کیا اور سات بااعتماد آدمیوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جن سے آپ تنازعات کے فیصلہ جات میں مشورہ لیا کرتے تھے اور ان سے فیصلے بھی کروایا کرتے تھے۔

(مناقب الشافعی للبیھقی جزء 1 صفحہ 107)

قید اور رہائی

آپ کے حسن خلق، عدل و انصاف، طلاقت لسانی اور عالی النسب ہونے کی وجہ سے اہل یمن آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ یہ بات حاسدین کو ہضم نہ ہوئی۔ انہوں نے ہارون الرشید کو آپ کے خلاف بھڑکایا اور یہ باور کرایا کہ علویوں کے ساتھ ایک ایسا شخص ہے جسے محمد بن ادریس الشافعی کہا جاتا ہے جس کی زبان تلوار سے بڑھ کر اپنا کام کر دکھاتی ہے اور خلافت کا خواہاں ہے۔ اگر آپ کو حجاز سے کچھ واسطہ ہے

تو اس شخص کو اپنے پاس لے جائیں۔ جب ہارون الرشید نے یہ پڑھا تو امام شافعی اور دیگر مشکوک افراد کو گرفتار کروا کے اپنے پاس بلوالیا۔ ہارون الرشید نے پہلے تو آپ کے قتل کا حکم دے دیا تھا لیکن پھر آپ کا موقف سننا چاہا۔ تب امام شافعی نے ایسی فصیح و بلیغ اور اثر انگیز تقریر کی کہ ہارون الرشید نے قتل کا ارادہ بدل دیا اور قید میں رکھنے کا فرمان صادر کیا اور دار العامۃ میں محبوس کر دیا گیا۔ پھر محمد بن حسن کے ساتھ ایک علمی مباحثہ ہوا جس میں آپ نے مدلل جوابات دیئے۔ اس پر ہارون الرشید نے امام شافعی کی تعریف کرتے ہوئے پانچ سو دینار انعام دے کر رہا کرنے کا حکم دیا۔

(مناقب الشافعی للآبری جزء1 صفحہ 70 + توالی التاسیس + مناقب الشافعی للبیہقی، مناقب الشافعی للرازی40)

جماعت احمدیہ کے دوسرے امام حضرت مرزابشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نے تحریر فرمایا:

''حضرت امام شافعیؒ کو لوگوں نے رافضی کہہ کر قید کروا دیا۔''

(مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ، انوار العلوم جلد 23 صفحہ 253)

بغداد میں علمی مجالس اور تصنیف

195ھ میں امام شافعی بغداد آکر دو سال وہاں رہے پھر مکہ چلے گئے۔ 198ھ میں دوبارہ بغداد آ گئے۔ وہاں آپ نے اپنے علم سے علماء اور عوام الناس کو مستفیض کیا۔ علماء کے منتشر گروہوں کو یکجا کیا۔ کتاب اللہ، سنت نبویہؐ اور علم حدیث کی ترویج کی۔ بدعات کے خلاف جہاد کیا۔ علماء آپ کے پاس آکر حدیثوں کا علم پاتے تھے۔ مامون الرشید بھی آپ کی علمی مجالس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں اہل فقہ، اہل حدیث اور اہل شعر شامل ہوتے تھے اور سب آپ سے سیکھتے اور مستفید ہوتے تھے۔ بغداد میں قیام کے دوران عبد الرحمٰن بن مہدی کی درخواست پر امام شافعی نے ایک مدلل اور آسان فہم ''کتاب الرسالہ'' لکھی۔

(مناقب الشافعی للبیہقی جزء1 صفحہ 230)

مصر میں آمد

200ھ میں امام شافعی مصر چلے آئے۔ آپ سفر کے دوران بھی علمی کام نہایت تندہی سے کیا کرتے تھے۔ آپ نہ دن کو کھانا کھاتے اور نہ رات کو سوتے تھے۔ سارا دن علمی کام کرتے رہتے تھے۔

اندھیرا ہوتے ہی خادمہ کو کہتے کہ چراغ جلا دو اور علمی کام میں لگ جاتے پھر جب تھک جاتے تو چراغ بجھا کر کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ جاتے پھر کچھ دیر بعد اٹھ جاتے اور خادمہ کو چراغ جلانے کا کہتے اور کام میں مصروف ہو جاتے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! اگر چراغ کو جلتا رہنے دیں تو خادمہ کی مشقت کم ہو جائے گی۔ تو کہا کہ یہ چراغ ہی تو میرے دل کو مشغول رکھتا ہے۔

(مناقب الشافعی للبیھقی جزء1 صفحہ 238)

جب آپ مصر میں داخل ہوئے تو سنت نبویؐ کے مطابق اپنے ننھیال قبیلہ ازد کے پاس اترے۔

مرض الموت اور وفات

حضرت امام شافعی مصر میں 200ھ تا 204ھ قریباً چار سال رہے۔ آپ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے۔ اس کے باوجود آپ نے تصنیف کا کام جاری رکھا۔ "کتاب الام" اور "کتاب السنن" وغیرہ ان چار سالوں میں تصنیف و تالیف کیں۔ اور 29 رجب 204ھ کو 54 سال کی عمر میں آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

(توالی التاسیس جزء1 صفحہ 194-196)

ازواج و اولاد

آپ کی اہلیہ صنعاء (یمن) کی ایک عثمانیہ عورت تھیں جن کا نام حمدہ بنت نافع بن عنبسہ بن عمرو بن عثمان تھا۔ آپ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ آپ کے بڑے بیٹے ابو عثمان محمد شام کے شہر حلب کے قاضی رہے اور دوسرے بیٹے ابو الحسن جو آپ کی ایک جاریہ سے تھے بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ بیٹیوں کے نام زینب اور فاطمہ تھے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام شافعی نے مختلف ممالک کے کثیر علماء و اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ امام شافعی کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں اور اسی وجہ سے آپ کو استاذ الاساتذہ بھی کہا جاتا تھا۔

تصانیف

امام شافعی نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب لکھیں جن کی تعداد قریباً 104 بتائی جاتی ہے اور جہاں بھی آپ جاتے یا قیام فرماتے وہاں تالیف و تصنیف کا کام ضرور جاری رکھتے تھے۔ معروف کتب یہ ہیں: کتاب الرسالہ قدیم، کتاب الرسالہ جدید، کتاب الام، کتاب السنن، کتاب المبسوط، کتاب بیان فرض اللہ، احکام القرآن، جماع العلم، بیاض الغرض، صفۃ الامر والنھی، ابطال الاستحسان، اختلاف الحدیث، اختلاف العراقیین، اختلاف مالک و الشافعی، کتاب الرد علی محمد بن الحسن، کتاب علیؓ و عبد اللہ، فضائل قریش وغیرہ۔ آپ نے اپنی اکثر تحریرات اپنی عمر میں ہی املاء کروادی تھیں۔

نابغۂ روزگار ہستی

امام شافعی علم و فنون کے بحر بیکراں تھے۔ شاید ہی کوئی علم ایسا ہو جس کے متعلق آپ کو کچھ نہ کچھ علم نہ ہو۔ آپ علم قرآن، علم تفسیر، علم تاویل، علم حدیث، علم آثار صحابہ علم تاریخ، علم نجوم، علم طب، علم الشعر، علم نحو، علم ادب، علم انساب، علم قیافہ، علم مناظرہ وغیرہ کے ماہر تھے۔ غرضیکہ آپ ایک جامع العلوم والفنون تھے۔ آپ ایک باکمال محدث اور فقیہہ تھے۔ جنہوں نے علم حدیث کے متعلق بھی بہت کام کیا۔ آپ سے مروی احادیث کو مسند امام شافعی میں جمع کیا گیا۔ آپ نے حدیث کے اصول وضع کیے۔ حدیث قبول کرنے کی شرائط مقرر کیں۔ تطبیق کے اصول و قواعد مقرر کیے۔ جرح و تعدیل کے ماہر تھے۔ آپ نے اس بات کو واضح کیا کہ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ اس زمانہ میں محدثین سوئے ہوئے تھے امام شافعی نے آکر ان کو جگایا۔ (مناقب الشافعی للبیھقی جزء1 صفحہ 301)

امام شافعی ایک اعلیٰ درجہ کے مناظر بھی تھے اور فصاحت و بلاغت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ نے کئی اشعار کہے اور قصیدے بھی لکھے۔ محاورات اور امثال کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ امام شافعی ایک عالم باعمل تھے۔ آپ سنت و حدیث کی حمایت کیا کرتے تھے اور اس پر عمل کرنا اپنا نصب العین سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپ کو مکہ میں ''ناصر الحدیث'' کا لقب ملا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ ''اگر تم میری کتاب میں سنت رسولؐ کے خلاف کوئی بات دیکھو تو اسے ترک کردو اور سنت رسول پر عمل کرو۔''

(توالی التاسیس صفحہ 63)

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ ائمہ اربعہ کے ناموں کی طرف نسبت کے متعلق فرماتے ہیں:

”امام شافعی اور حنبل وغیرہ کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت بدعات شروع ہو گئی تھیں۔ اگر اس وقت یہ نام نہ ہوتے تو اہل حق اور ناحق میں تمیز نہ ہو سکتی۔ ہزارہا گندے آدمی ملے جلے رہتے۔ یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہو جاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہو سکتی۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 501)

تیسری صدی کے مجدد

حضرت ابوالحسن اشعریؒ

شبیہ حضرت ابوالحسن اشعریؒ

حضرت ابوالحسن اشعریؒ

نام ونسب

آپ کا نام علی بن اسماعیل، کنیت ابوالحسن اور لقب ناصر السنت تھا۔ آپ کے والد محترم کا نام اسماعیل بن ابو بشر اسحاق تھا۔ اپنے جد امجد صحابیٔ رسول حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے نسبت کی وجہ سے ''اشعری'' کہلوائے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن اسماعیل بن ابی بشر اسحاق بن سالم بن اسماعیل بن عبداللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابی بردہ عامر بن ابی موسیٰ اشعری۔

جب آیت فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ:55)نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ قوم یہ ہے۔

(مسند ابن ابی شیبہ جزء2صفحہ 179)

پیدائش

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ، أَضْعَفُ قُلُوبًا، وَأَرَقُّ أَفْئِدَةً، الْفِقْهُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب قوم الاشعریین و اهل الیمن)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل یمن تمہارے پاس آئے ہیں۔ دل کے نرم اور رقیق القلب ہیں، دین کی سمجھ یمانی ہے اور حکمت بھی یمانی ہے۔

علماء کے نزدیک ان احادیث میں رسول اللہؐ نے ابوالحسن الاشعری کی پیدائش کی بشارت دی ہے۔ جیسے ''عالم قریش'' والی حدیث میں امام شافعی اور ''عالم المدینۃ'' والی حدیث میں امام مالک کی پیشگوئی مراد لیتے ہیں۔

ان بشارات کے مطابق آپ کی پیدائش 260ھ میں عراق کے شہر بصرہ میں ہوئی۔ آپ کا خاندان اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتا تھا۔

تعلیم و تربیت

آپ کی عمر کے پہلے دس سال قرآن و حدیث کے علوم کے حصول میں گزرے۔ اس کے بعد پھر آپ کے والد محترم نے اہل سنت ہونے کے باوجود ابتدائی تعلیم و تربیت کے لیے آپ کو معتزلہ کے بزرگ عالم ابو علی جبائی کے گھر بھجوادیا۔ پس آپ کی تعلیم و تربیت معتزلی عقائد پر ہونے لگی۔ یوں آپ علوم معتزلہ میں طاق ہوئے اور فن مناظرہ و مجادلہ کے ماہر اوراس پر گہرا غور و تفکر کرنے کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ آپ اپنی بات کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ کو علم الکلام کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ علم الکلام سے آپ کو خاص شغف تھا جس کی وجہ سے آپ نے اس میں پوری دسترس حاصل کی۔ آپ علماء و فقہاء کی مجالس سے استفادہ فرمایا کرتے تھے۔ علوم حدیث آپ نے زکریا بن یحیٰ الساجی سے سیکھے۔ جامع منصور بغداد میں ابو اسحاق المروزی فقیہہ کی مجالس میں شامل ہو کر ان سے فقہ کی تعلیم پاتے اور وہ آپ سے علم الکلام سیکھتے تھے۔ بعض مالکیوں نے سمجھا کہ آپ مالکی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ درست نہیں لیکن جنہیں آپ کے حالات کی خبر تھی وہ جانتے تھے کہ آپ شافعی المسلک تھے۔

(طبقات الفقہاء الشافعیہ جزء2 صفحہ 604 از عثمان الشہزوری (متوفی:643ھ))

امام معتزلہ

قریباً چالس برس تک آپ معتزلی عقائد پر رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے امام بن گئے۔ اپنے اساتذہ سے مناظرے کیا کرتے تھے اور جو سوال عقل و فکر کے خلاف معلوم ہوتے وہ دریافت کیا کرتے تھے لیکن اپنے معتزلی اساتذہ و علماء سے شافی و کافی جواب نہ پاتے۔ جس کی وجہ سے آپ ان سوالات میں مزید غور و فکر کرتے رہتے۔

ایک دفعہ ابو الحسن اشعری نے اپنے استاد ابو علی جبائی سے سوال پوچھا کہ اللہ تعالیٰ مومن، کافر اور بچے سے کیا سلوک کرے گا؟ ابو علی جبائی نے کہا کہ مومن اہل درجات میں سے ہو گا، کافر اہل ہلاکت میں سے ہو گا اور بچہ اہل نجات میں سے ہو گا۔ تو ابو الحسن اشعری نے کہا کہ اے شیخ! اگر بچہ اہل درجات کے مقام تک پہنچنا چاہے تو کیا ایسا ممکن ہے تو شیخ نے جواب دیا کہ نہیں، اسے کہا جائے گا کہ مومن نے تو یہ

درجہ اپنی اطاعت کی وجہ سے پایا ہے جو کہ تو نہیں کر سکا۔ تو ابو الحسن اشعری نے کہا کہ بچہ کہے گا: یہ تو میری غلطی نہیں، اگر تو مجھے زندہ رکھتا تو میں ضرور مومن کی طرح اطاعت گزاری کرتا۔ تو جبائی نے کہا: اللہ تعالیٰ اسے کہے گا کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو زندہ رہتا تو ضرور میری نافرمانی کرتا اور سزا یافتہ ہو جاتا۔ پس میں نے تیری مصلحت کے لیے تیری رعایت کی اس سے پہلے کہ تو بڑی عمر کو پہنچتا۔ تو ابو الحسن اشعری نے کہا: تو اگر کافر کہے کہ اے اللہ! جس طرح تو اس بچے کا حال جانتا تھا، ویسے ہی تو میرا حال بھی جانتا تھا پھر تو نے کیوں نہ اس کی طرح میری بھی رعایت کی۔ یہ سن کر جبائی لاجواب ہو گئے۔

(طبقات الشافعیہ الکبری جزء3 صفحہ 356 از تاج الدین السبکی (متوفی: 771ھ))

معتزلہ سے رجوع

چونکہ ابو الحسن اشعری دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ بات کرنے کے عادی تھے۔ جب انہوں نے معتزلی اقوال میں خرابیاں دیکھیں اور پوچھنے پر اساتذہ و علمائے معتزلہ سے تسلی بخش جوابات بھی نہ پاتے تو حیران ہوتے اور یہ بات آپ کو بے چین کیے رکھتی تھی۔ رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے معتزلہ کے اکثر عقائد سے بیزار ہوتے چلے گئے۔ جب کافی عرصہ آپ تذبذب کی حالت میں رہے تو 300ھ رمضان کے بابرکت مہینہ کے پہلے عشرہ میں آپ نے خواب میں رسول اللہ ؐ کو دیکھا۔ رسول اللہ ؐ نے آپ سے فرمایا کہ اے علی! جو مذہب و طریق مجھ سے مروی ہے اس کی مدد کرو یقیناً وہی حق ہے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کے دل میں یہ بات داخل ہو گئی اور آپ پورا عشرہ مہموم و مغموم رہے۔ پھر دوسرا عشرہ شروع ہوا تو رسول اللہ ؐ دوبارہ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے اس بارہ میں کیا کیا جو میں نے تمہیں حکم دیا تھا۔ تو ابو الحسن اشعری نے کہا کہ آپ سے مروی صحیح مذہب و طریق سے تو میں نکل چکا ہوں، میں کیسے ایسا کروں۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: جو مذہب و طریق مجھ سے مروی ہے اس کی مدد کرو یقیناً وہی حق ہے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو شدید افسردہ اور غمگین ہوئے اور علم الکلام کو ترک کر دیا اور تلاوت قرآن کریم کو لازم کر لیا اور سنت و حدیث پر عمل شروع کر دیا۔

رمضان کی ستائیسویں رات آئی تو آپ کی عادت تھی کہ آپ اس ساری رات جاگ کر عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ لیکن اس رات آنکھ لگ گئی اور خواب میں تیسری دفعہ رسول اللہ ؐ کو دیکھا۔ آپ ؐ نے

وہی سوال دہرایا کہ تم نے کیا کیا جس کا میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟ تو ابو الحسن نے فرمایا: یا رسول اللہؐ! میں نے علم الکلام کو چھوڑ دیا ہے اور کتاب اللہ اور آپؐ کی سنت کو اپنا لیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو علم الکلام کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا تھا میں نے تو اس مذہب و طریق کی تائید و نصرت کا حکم دیا تھا جو مجھ سے مروی ہے اور یقیناً وہی حق ہے۔

ابو الحسن اشعری نے خواب میں ہی رسول اللہؐ سے فرمایا کہ میں کیسے اس مذہب کو ایک خواب کی بناء پر چھوڑ دوں جس کے مسائل کو سیکھنے اور دلائل کو جاننے میں تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے؟ تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کیوں نہیں چھوڑو گے جبکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ اپنی طرف سے تمہاری مدد کرے گا۔ جب ابو الحسن اشعری جاگے تو گمراہی دور ہو چکی تھی اور حق ظاہر ہو چکا تھا اور خواب میں ہی احادیث کی نصرت حاصل ہو چکی تھی اور شفاعت کی توفیق بھی مل چکی تھی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ۔ آپ پر ایسی نئ بحثیں اور نئے براہین کے دروازے کھول دیئے گئے جو آپ نے اپنے اساتذہ سے بھی نہیں سنے تھے، نہ ہی کسی مناظرہ میں پیش کیے تھے اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھے تھے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ جزء3 صفحہ 348-349)

اس رؤیا کے بعد آپ پندرہ یوم تک اپنے گھر میں رہے اور لوگوں کے سامنے نہ آئے۔ اس کے بعد جامع مسجد گئے اور اس کے منبر پر چڑھ کر بولے: اے لوگو! میں اس مدت میں تمہارے سامنے اس لیے نہیں آیا کیونکہ میں غور و فکر میں مصروف تھا۔ میرے پاس دلائل کا انبار تھا اور میرے نزدیک کوئی چیز کسی دوسری پر برتر و غالب نہیں نکلی۔ پس میں نے اللہ سے ہدایت طلب کی تو اس نے مجھے ان اعتقادات کی طرف ہدایت دے دی جو میں نے اپنی اِن کتب میں چھوڑ رکھے تھے۔ اور اب میں اپنے ان تمام عقائد سے الگ ہوتا ہوں جس طرح میں اپنے کپڑوں سے الگ ہوتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی قمیض اتار کر پھینک دی اور اپنی ان کتب کو جو آپ نے اہل سنت کے طریق کے خلاف لکھی تھیں لوگوں کے سامنے پھینک دیا۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ جزء3 صفحہ 347)

اہل معتزلہ سے مناظرے

حسین بن محمد عسکری بیان کرتے ہیں کہ ابو الحسن اشعری ابو علی جبائی کے شاگرد تھے اور آپ ماہر علم الکلام، نگاہِ دانائی کے مالک اور مناظرہ و مباحثہ کے شہسوار تھے۔ جبائی صاحب تصنیف و قلم تو تھے لیکن ان میں قوت مناظرہ زیادہ نہ تھی۔ جب انہیں مناظرے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اشعری سے کہا کہ مجھے رہنے دو۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء3 صفحہ 347)

ابو سہل الصعلوکی بیان کرتے ہیں کہ ہم ابو الحسن اشعری کے ساتھ بصرہ میں مجلس علوی میں گئے اور وہاں معتزلہ سے مناظرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے معتزلہ کو رسوا کیا اور ایک کے بعد دوسرا آتا گیا، ابو الحسن اشعری نے سب کو شکست دے دی۔ پھر دوبارہ دوسری مجلس میں گئے تو کوئی بھی مناظرہ کے لیے نہ آیا۔

(تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الاشعری از ابو القاسم ابن عساکر جزء1 صفحہ 94)

امام ابو بکر الصیرفی کہتے ہیں کہ معتزلہ اپنا سر اٹھا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اشعری کو ظاہر کر دیا پس اس نے انہیں اپنی بلوں میں گھسنے پر مجبور کر دیا۔

(تاریخ بغداد جزء11 صفحہ 346)

تکفیر سے انکار

زاہر بن احمد بیان کرتے ہیں کہ جب امام ابو الحسن اشعری بغداد میں میرے گھر آئے تو انہوں نے کہا کہ میرے گواہ رہنا میں کبھی کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہوں گا کیونکہ سب ایک ہی معبود کی عبادت کرتے ہیں۔ باقی یہ سب عبارتوں کے اختلافات ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء جزء15 صفحہ 88 از شمس الدین الذھبی (متوفی:748ھ))

عقائد باطلہ اور بدعات کا خاتمہ

ابو الحسن اشعری ائمہ حدیث و اہل سنت میں سے ایک عظیم امام تھے۔ آپ نے سنت نبویہؐ پر عمل کرتے ہوئے بدعات کا خاتمہ کیا اور معتزلہ کے عقائد کا ردّ کیا۔ خلق قرآن، تقدیر وغیرہ کے مسائل کو

حل کیا۔ آپ معتزلہ، روافض، خوارج، جہمیہ، فرقہ قدریہ و جبریہ اور بدعتیوں کے لیے سیف مسلول تھے۔ کسی بدعت کو جاری نہ کیا اور نہ ہی کوئی نیا مذہب تشکیل دیا بلکہ آپ نے رسول اللہؐ اور صحابہ کے مذہب کو ہی آگے بڑھایا اور اس کی حمایت کی اور اس پر ایک بند باندھا تا کہ کوئی اس میں رخنہ پیدا نہ کر سکے۔ آپ کا علم الکلام سنن کی وضاحت اور ان کے قیام کے لیے تھا۔ آپ نے اپنے علوم کو کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی تائید و نصرت کے لیے وقف کر دیا۔ اسی لیے آپ کو مجدد دین امت میں تیسرا مجدد شمار کیا جاتا ہے۔

وفات

امام ابوالحسن اشعری 324ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مدفن بغداد میں ہے۔ زاہر بن احمد بیان کرتے ہیں کہ نزع کی حالت میں امام ابوالحسن اشعری کا سر میری گود میں تھا آپ کچھ فرما رہے تھے میں نے اپنا سر نزدیک کر کے سنا تو آپ فرما رہے تھے کہ معتزلہ پر لعنت ہو انہوں نے جھوٹی باتیں گھڑیں اور تحریفات کیں۔ (طبقات الشافعیین جزء1 ص210 از ابن کثیر القرشی (متوفی:774ھ))

جس دن آپ کی وفات ہوئی تو اہل سنت رو رہے تھے اور اہل بدعت خوشیاں منا رہے تھے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء3 صفحہ 367)

تقویٰ و عبادت گزاری

ابو الحسن اشعری متقی، عبادت گزار اور گھڑی ہوئی احادیث سے بچانے والے ناصر السنت تھے۔ آپ کے ساتھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بیس سال تک رات کے وضو سے صبح نماز ادا کی۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء3 صفحہ 351)

سادہ اور متصوفانہ زندگی

آپ نے اپنی زندگی زہد و بساطت میں گزاری۔ آپ پر متصوفانہ اثر کا غلبہ تھا۔ آپ تصوف میں سردار کا درجہ رکھتے تھے جیسا کہ علم الکلام اور مختلف علوم میں آپ سردار جانے جاتے ہیں۔ آپ کے خادم کا بیان ہے کہ آپ اپنے دادا بلال بن ابوبردہ کی طرف سے وقف شدہ جائیدادی غلہ میں سے کھایا کرتے تھے۔ آپ کا سالانہ خرچ محض سترہ درہم ہوا کرتا تھا۔ ہر ماہ ایک درہم سے کچھ زائد خرچ تھا۔

(تاریخ بغداد جزء11 صفحہ 346)

علم و فضل کا شاہکار

ابو الحسن اشعری فقیہہ، عالم، مجتہد اور محدث تھے۔ آپ صاحب فراست اور دانا تھے اور ان سب کا منبع اللہ کا نور تھا۔ آپ ملت محمدیہ کی نصرت کے لیے کھڑے ہوئے اور مضبوط تائید و نصرت کی۔ آپ ذکاوت و فہم کے شاہکار اور علم کے سمندر تھے۔ آپ اعلیٰ صفات و حسنات کے مالک تھے۔ زبردست مناظر تھے۔ علم الکلام کے بانی اور علم اصول کے ماہر تھے۔ آپ کو امام المتکلمین اور امام المتصوفین بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ابو الحسن اشعری علم و فضل کا مینار تھے۔ علماء نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو مختلف "امام اہل سنت"، "امام الفضل"، "رئیس الکامل"، "امام المتکلمین"، "زعیم المجددین"، "شیخ السنۃ"، "ناصر السنۃ"، "حبر الامۃ"، "امام ائمۃ الحق" وغیرہ جیسے القابات سے نوازا۔

ابو اسحاق اسفر اینی کہتے ہیں کہ میں ابو الحسن الباہلی کے نزدیک ایسا ہی ہوں جیسے ایک قطرہ سمندر کے پاس ہوتا ہے اور میں نے ابو الحسن الباہلی کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ابو الحسن اشعری کے نزدیک ایسا ہی ہوں جیسا ایک قطرہ سمندر کے پاس ہوتا ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء 3 صفحہ 351)

اساتذہ

ابو الحسن نے کثیر علماء سے اقتباس علم کیا۔ جن میں سے مشہور یہ ہیں: ابو خلیفہ الجمحی، ابو علی جبائی، زکریا الساجی، سہل بن نوح، محمد بن یعقوب، عبد الرحمٰن بن خلف ضبی وغیرہ۔

شاگرد

آپ کے شاگردوں کی تعداد ان گنت ہے اور ان میں حنفی، مالکی شافعی اور حنبلی تمام مکاتب فکر شامل ہیں۔ ابو سہل الصعلوکی، ابو اسحاق اسفر اینی، ابو بکر قفال، ابو زید المروزی، ابو عبد اللہ ابن خفیف، زاہر بن احمد سرخسی، ابو بکر جرجانی، ابو بکر الادونی وغیرہ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے الاشاعرۃ (اشعریین) کہلاتے ہیں اور آپ کو اشعری فرقہ کا بانی کہا جاتا ہے۔

تصانیف

ابو الحسن اشعری صاحب لسان ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں بہت سی کتب لکھیں۔ آپ کی کتب کی تقسیم دو طرح سے ہے۔ پہلی وہ کتب جو معتزلی عقائد کے دور میں لکھیں جن کے بارہ میں بعد میں آپ نے بیزاری کا اظہار کیا اور پھینک دیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو آپ نے معتزلہ سے تائب ہو کر اہل سنت ہونے کے دور میں لکھیں۔ ان اکثر کتب میں معتزلہ کا رڈ کیا ہے۔ آپ کی کتب کی مجموعی تعداد 100 سے بھی زائد ہے جن میں مشہور یہ ہیں: مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، اللمع فی الرد علی اهل الزیغ والبدع، رسالہ الیٰ اهل الثغر، الابانة عن اصول الدیانة، رسالہ الاستحسان الخوض فی علم الکلام، الفصول فی الردّ علی الملحدین، الموجز، الاسماء والاحکام، الجوابات فی الصفات علی الاعتزال وغیرہ۔

چوتھی صدی کے مجدد

حضرت ابو بکر باقلانیؒ

شبیہ حضرت ابو بکر باقلانیؒ

حضرت ابو بکر باقلانیؒ

نام و نسب

آپ کا نام محمد بن طیب، کنیت ابو بکر اور لقب سیف السنۃ ولسان الامۃ تھا۔ آپ کے والد محترم کا نام طیب بن محمد بن جعفر تھا۔

پیدائش

آپ کی پیدائش 338ھ میں عراق کے شہر بصرہ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم بصرہ میں ہی حاصل کی جس کے بعد آپ نے بغداد میں سکونت اختیار کی۔ علم الاصول آپ نے ابن مجاہد سے، علم فقہ ابو بکر ابہری سے اور علوم حدیث ابو بکر بن مالک قطیعی، ابو محمد بن ماسی، ابو احمد حسین بن علی نیشاپوری وغیرہ سے حاصل کیے۔ ان کے علاوہ آپ نے دیگر کئی علماء و بزرگان سے فیض علم پایا جن میں سے مشہور یہ ہیں: امام دار قطنی، ابو الحسن الباہلی، احمد بن جعفر قطیعی، ابو احمد عسکری، ابو سہل الصعلوکی، ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی، ابن ابی زید قیروانی وغیرہ۔ آپ کے اکثر اساتذہ امام ابو الحسن اشعری کے شاگرد تھے۔

اشعری امام

آپ کا تعلق مالکی مکتبہ فکر سے تھا۔ ابن عمار میورقی بیان کرتے ہیں کہ ابن طیب مالکی تھے اور عالم و فاضل، نہایت متقی و پرہیز گار تھے۔ جو گمراہی سے محفوظ تھے۔ آپ کی طرف کوئی نقص منسوب نہ ہوتا تھا۔ آپ کو شیخ السنۃ اور لسان الامۃ کا لقب دیا گیا۔ آپ علم کے شہسوار تھے اور اس امت کے لیے ایک بابرکت وجود تھے۔

قاضی ابو بکر محمد بن طیب کے دور کے مالکی سرداروں کا آپ پر اختتام ہوا۔ حضرت ابو الحسن اشعری کے پیروکار ہونے کی وجہ سے اشعری کہلائے اور اشعری فرقہ کے دوسرے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک آپ امام ابو الحسن اشعری کے بعد عظیم ائمہ میں سے تھے۔ امام ذہبی کے

نزدیک آپ اشعری متکلمین میں سے افضل تھے۔ آپ نے اپنی قابلیت کی بناء پر علم الکلام میں دسترس حاصل کی اور اسی وجہ سے لوگوں میں مشہور تھے۔ دل کے بہت اچھے اور زبان کے سخی تھے۔ اپنی بات کو اچھی طرح سے واضح کرنے والے اور کتابوں میں درست بات لکھنے والے تھے۔ آپ اپنے وقت کے بزرگ اور اپنے زمانے کے عالم تھے۔ آپ کا فقہ بہترین تھا اور بہت بڑے مناظر تھے۔ جامع منصور بغداد میں آپ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

مناظرات میں بطور حکم

آپ ثغر میں قضاء کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ فقیہہ ابو عبد اللہ بن سعدون بیان کرتے ہیں کہ تمام فرقے اپنے مناظروں میں قاضی ابو بکر باقلانی کی بطور حَکم تقرری پر رضامند ہوتے تھے۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک از قاضی عیاض (متوفی:544ھ) جزء7 صفحہ 45)

معتزلہ وبدعتیوں سے مناظرے

آپ علم الکلام کے ماہر اور حاضر دماغ مناظر تھے۔ آپ نے روافض، اہل معتزلہ اور بدعتیوں وغیرہ سے بہت مناظرے کیے۔ ایک مناظرہ اہل معتزلہ سے عضد الدولۃ کے سامنے بھی کیا۔

ایک دفعہ ابن المعلم جو رافضیوں کا بزرگ اور متکلم تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجلس مناظرہ میں آیا وہاں اس نے جب ابو بکر باقلانی کو آتے دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ قد جاء کم الشیطان یعنی یقیناً! تمہارے پاس شیطان آرہاہے۔ امام ابو بکر نے ان کی یہ بات سن لی۔ آپ نے ابن المعلم کے پاس جاکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :أَنَّآ أَرۡسَلۡنَا ٱلشَّيَٰطِينَ عَلَى ٱلۡكَٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمۡ أَزّٗا (مریم:84)ہم شیطانوں کو کافروں کے خلاف بھیجتے ہیں جو انہیں طرح طرح سے اُکساتے ہیں۔

(تاریخ بغداد از ابو بکر خطیب بغدادی (متوفی:463ھ) جزء2 صفحہ 455)

عقائد باطلہ اور بدعات کا خاتمہ

قاضی ابو بکر باقلانی نے امام ابو الحسن اشعری کے کام کو آگے بڑھایا اور معتزلیوں، رافضیوں، بدعتیوں وغیرہ کا ردّ کیا۔ آپ نے ان تمام کے خلاف قلمی و لسانی جہاد کیا۔ آپ کی ان خدمات کی وجہ سے آپ کو چوتھی صدی کا مجدد امت مانا جاتا ہے۔ آپ مسلمانوں کے لیے حفاظتی قلعوں میں سے ایک قلعہ

تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں اہل سنت کی تلوار تھے اور اپنے زمانہ میں اہل حق متکلمین کے امام تھے۔ آپ کے زمانہ کے بدعتیوں کو آپ کی وفات پر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک جزء7 صفحہ 45)

وفات

آپ 23 ذیقعدہ 403ھ بروز ہفتہ بغداد میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ آپ کا جنازہ آپ کے صاحبزادے حسن نے اتوار کے روز پڑھایا۔ آپ کا مدفن مقبرہ باب حرب بغداد میں ہے۔

(وفیات الاعیان از ابن خلکان (متوفی:681ھ) جزء4 صفحہ 270)

حنبلی بزرگ ابو الفضل تمیمی نے منادی کو حکم دیا کہ وہ آپ کے جنازے پر یہ کہے: یہ (ابو بکر باقلانی) دین و سنت کی مدد کرنے والے، شریعت کی حمایت کرنے والے تھے اور یہ وہ شخص ہے جس نے ستّر ہزار اوراق تصنیف کیے۔ اور اس کے بعد پھر حنفی بزرگ ہر جمعہ آپ کی قبر کی زیارت کیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء از شمس الدین ذہبی (متوفی:748ھ) جزء13 صفحہ 13)

تقویٰ وعبادت گزاری

امام ابو بکر باقلانی بہت متقی و عبادت گزار تھے۔ ابو الفرج محمد بن عمران کہتے ہیں کہ قاضی ابو بکر محمد بن طیب ہر رات 20 تراویح پڑھا کرتے تھے۔ وہ انہیں سفر وحضر میں بھی ترک نہ کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد جزء2 صفحہ 455)

علم وفصاحت کا شاہکار

آپ کی وسعت علمی ہی آپ کی پہچان تھی۔ فصاحت آپ کا خاص وصف تھا۔ ابو محمد یافعی کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کے مال کا تیسرا حصہ افصح الناس یعنی لوگوں میں سے سب سے زیادہ فصیح وبلیغ انسان کو دیا جائے تو وہ قاضی ابو بکر اشعری کو دے دے۔

(تاریخ بغداد جزء2 صفحہ 456)

آپ کے علم وفضل کی وجہ سے آپ کو علّامہ، اوحد المتکلمین، مقدّم الاصولیین، سیف السنۃ، لسان الامۃ وغیرہ کے القابات سے نوازا گیا۔

وہبی علم

قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بیضاوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنی مسجد میں جہاں میں درس دیا کرتا ہوں، داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نورانی ہستی محراب میں تشریف فرما ہے اور دوسرا ان کے سامنے بیٹھا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے۔اس تلاوت سے بڑھ کر خوبصورت کوئی چیز نہ تھی۔میں نے پوچھا کہ یہ تلاوت کرنے والا کون ہے اور جس کے سامنے تلاوت کی جارہی ہے وہ کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ جو محراب میں تشریف فرما ہیں وہ رسول اللہؐ ہیں اور جو تلاوت قرآن کریم کر رہے ہیں وہ قاضی ابو بکر باقلانی ہیں جو رسول اللہؐ سے شریعت سیکھ رہے ہیں۔

(تاریخ بغداد جزء2 صفحہ 456)

توہمات کا انکار

قاضی ابو بکر باقلانی کو علمی قابلیت کی وجہ سے عضد الدولہ نے اپنا مصاحب خاص بنالیا۔اس نے جب آپ کو شاہ روم کی طرف غلبۂ اسلام کے اظہار کے لیے بطور سفیر جانے کا کہا تو آپ روانگی کی تیاری کرنے لگے۔وزیر نے کہا کہ کیا آپ نے اپنے جانے کا ستاروں سے فال لے لیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا کیونکہ سعد و نحس اور خیر و شر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ستاروں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ان سب کاموں کی قدرت نہیں۔

(المرقبۃ العلیا فیمن یستحق القضاء والفتیا، تاریخ قضاۃ الاندلس از ابو الحسن علی النباہی (متوفی:792ھ) جزء1 صفحہ 37)

فہم و ذکاوت

قاضی ابو بکر باقلانی فہم و ذکاء کا مرقّع تھے۔آپ اپنے فہم سے ضرب الامثال بیان کیا کرتے تھے۔حکمت عملی سے کام لینا آپ کا شیوہ تھا۔381ھ میں آپ امیر المؤمنین کا پیغام لے کر شاہ روم کے پاس گئے۔وہاں آپ کو بادشاہ کے پاس جانے کے آداب بتائے گئے اور کچھ احکام آپ کے لیے جاری کیے گئے۔ان میں سے ایک حکم یہ تھا کہ انہیں بادشاہ کے پاس چھوٹے دروازے سے لایا جائے تاکہ جب یہ بادشاہ کے حضور حاضر ہوں تو رسم کے مطابق تعظیماً رکوع کی حالت میں داخل ہوں۔قاضی اس بات کو

سمجھ گئے اور آپ سیدھا داخل ہونے کی بجائے الٹا پیٹھ کی طرف سے داخل ہوئے۔ بادشاہ کو آپ کی ذہانت بہت پسند آئی اور اس کے دل میں آپ کا رعب طاری ہو گیا۔

(سیر اعلام النبلاء جزء 13 صفحہ 12)

پادریوں سے علمی مناظرے

قاضی ابو بکر باقلانی نے ملک روم میں عیسائی پادریوں سے مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دی۔ شاہ روم بھی آپ کی علمیت کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ نے رسول اللہؐ کے معجزہ شق القمر تمام دنیا کے لوگوں کو نظر نہ آنے کے اعتراض کا تسلی بخش جواب سورج گرہن کے ایک علاقہ میں نظر آنے اور دوسرے علاقہ میں نظر نہ آنے جیسی مختلف مثالوں سے دیا۔

اسی طرح ایک اور مجلس میں شاہ روم نے پوچھا کہ آپ مسیح بن مریمؑ کے بارہ میں کیا کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ روح اللہ اور اس کا کلمہ ہے۔ اللہ کا نبی، رسول اور اس کا بندہ ہے جس طرح اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسے کہا کہ کن فیکون۔ اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی پیدا کیا۔ آپ نے متعلقہ قرآنی آیات کی تلاوت کی۔ تو بادشاہ نے کہا کہ اے مسلمان! کیا مسیح عبد تھا؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں، ہم یہی کہتے ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اس نے کہا کہ کیا تم اسے ابن اللہ نہیں مانتے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! اللہ کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ ہی کوئی اس کا کوئی ہمسر ہے۔ یقیناً تم لوگ ایک بہت بڑی بات کہتے ہو اور آپ نے قرآن کریم کی متعلقہ آیات پڑھیں۔ پھر کہا کہ اگر تم مسیح کو اللہ کا بیٹا بناتے ہو تو اس کا باپ کون ہے، اس کا بھائی، چچا، ماموں اور دیگر رشتہ دار کون ہیں اور کہاں ہیں؟ جس پر بادشاہ بہت حیران ہوا۔

بادشاہ نے پوچھا کہ اے مسلمان! کیا کوئی بندہ کوئی چیز تخلیق کر سکتا ہے یا کسی مردہ کو زندہ کر سکتا ہے یا کسی اندھے یا کوڑھی کو صحتیاب کر سکتا ہے؟ تو آپ نے کہا کہ ہرگز نہیں بندہ یہ کام کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یہ سب اللہ کے فضل سے ہوتا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ پھر کیسے مسیح اللہ کا بندہ ہو سکتا ہے جبکہ اس نے سب کام کیے۔ تو آپ نے کہا کہ مسیح نے کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا اور نہ کسی لولے لنگڑے، اندھے یا کوڑھی کو ٹھیک کیا ہے۔ بادشاہ اس بات سے حیران ہوا اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اس نے کہا کہ کیا تم اس بات کا انکار کرتے ہو جو لوگوں میں عام ہے اور جسے قبول کیا گیا ہے۔ آپ نے کہا کہ کسی اہل

علم و معرفت اور فقیہہ نے یہ نہیں کہا کہ انبیاء معجزات اپنی ذات سے کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی ہے جو یہ کام انبیاء کے ہاتھوں ان کی تصدیق کی خاطر کرواتا ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ تم میں سے ایک جماعت میرے پاس آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ یہ سب تمہاری کتاب میں لکھا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہاں! ہماری کتاب میں لکھا ہے لیکن یہی کہ یہ سب کام اللہ کے اذن سے ہوئے۔ آپ نے متعلقہ آیات تلاوت کیں اور کہا کہ جو کچھ مسیح نے کیا وہ سب اللہ کی طرف سے تھا، نہ کہ مسیح کی اپنی ذات سے۔ اور اگر کہا جائے کہ مسیح نے صرف اپنی ذات اور قوت سے مردوں کو زندہ کیا اور اندھوں کوڑھیوں کو صحتیاب کیا تو پھر یہ بھی جائز ہوگا کہ موسیٰؑ نے اپنی ذات اور قوت سے سمندر کو درمیان سے پھاڑا اور ہاتھ کو بغیر کسی تکلیف کے سفید کیا۔ پس انبیاء کے معجزات اللہ کی مرضی اور اذن کے بغیر نہیں ہوا کرتے اور مسیح نے جو معجزات دکھائے وہ محض مسیح کی ذات سے منسوب کرنا جائز نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ لاجواب ہو گیا۔

(المرقبۃ العلیا فیمن یستحق القضاء والفتیا، تاریخ قضاۃ الاندلس جزء 1 صفحہ 38-39)

حضرت مریمؑ اور حضرت عائشہؓ کی بریت

پھر ایک دن جب بادشاہ نے آپ کو بلایا تو آپ وہاں گئے اور آپ نے ایک راہب سے پوچھا کہ تمہارے بیوی بچے کیسے ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ راہب ان باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: آپ لوگ ان کو تو ان چیزوں سے پاک رکھتے ہو لیکن رب العالمین کو بیوی اور بچے سے پاک نہیں رکھتے۔ تو سرداروں نے سرزنش کی حالت میں کہا کہ آپ کے نبیؐ کی بیوی کا کیا معاملہ تھا؟ آپ نے کہا کہ جو معاملہ مریم بنت عمران کے ساتھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (مریم اور عائشہ) کو بری قرار دیا لیکن عائشہؓ نے کوئی بچہ جنم نہیں دیا۔ یہ سن کر سب بہت شرمندہ ہوئے۔

بادشاہ آپ کی تبحر علمی سے بہت متاثر ہوا اور انعام و اکرام کے ساتھ حفاظتی دستہ کے ساتھ واپس روانہ کیا۔

(المرقبۃ العلیا فیمن یستحق القضاء والفتیا، تاریخ قضاۃ الاندلس جزء 1 صفحہ 38-39)

سلطان القلم

محمد بن عمران بیان کرتے ہیں کہ قاضی ابو بکر محمد بن طیب جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو درود و وظائف کا ورد کرتے۔ اس کے بعد دوات اپنے سامنے رکھتے اور 35 صفحات جو انہیں یاد ہوتے وہ تحریر فرماتے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ سیاہی سے لکھنا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ پھر جب آپ فجر کی نماز ادا کرتے تو جو آپ نے رات کو تصنیف کیا ہوتا تھا وہ اپنے اصحاب کو دیتے کہ وہ اسے پڑھ کر سنائیں اور اس میں مزید املاء کرواتے۔

ابو بکر خوارزمی کا بیان ہے کہ بغداد کا ہر مصنف لوگوں کی کتب سے اپنی تصنیفات میں نقل کیا کرتا تھا سوائے قاضی ابو بکر کے۔ بلاشبہ آپ کا سینہ اپنے علم اور لوگوں کے علم کا مجموعہ تھا۔

(تاریخ بغداد جزء 2 صفحہ 456)

علی بن محمد مالکی بیان کرتے ہیں کہ قاضی ابو بکر اشعری ارادہ کرتے تھے کہ وہ اپنی تصنیف کو مختصر رکھیں لیکن اپنی وسعت علم اور کثرت حفظ کی وجہ سے ایسا کرنے سے قاصر رہتے۔ آپ ہمیشہ مخالفین کی کتب کا مطالعہ کر کے ان کی باتوں کو ذہن نشین کر کے پھر اس کے ردّ میں کتب لکھا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد جز 2 صفحہ 456)

تصانیف

قاضی ابو بکر باقلانی نے اپنی زندگی میں تصنیف کا بہت کام کیا۔ حنبلی شیخ کا قول ہے کہ آپ نے ستّر ہزار اوراق تحریر کیے۔ آپ کی تصنیفات میں سے مشہور یہ ہیں: تمہید الاوائل و تلخیص الدلائل (یہ کتاب عضد الدولہ کے لیے لکھی جب اس نے اہل سنت تعلیم سکھانے کا کہا)، شرح اللمع لابی الحسن الاشعری، کتاب الابانۃ، الاماۃ الکبیرۃ، الامامۃ الصغیرہ، امالی اجمع اھل المدینۃ، مقدمات فی اصول الدیانات، اعجاز القرآن،، حقائق الکلام، مناقب الائمۃ کتاب حافل، رسالۃ الحرۃ، ھدایۃ المسترشدین والمقنع فی اصول الدین وغیرہ۔

”اسلوب قرآن بھی معجزہ ہے...... قرآن کے الفاظ، جملے، آیات کا آغاز واختتام، صوتی زیر و بم، معانی و مطالب، ترتیب، نظم ونسق سبھی معجزہ ہیں“

(حضرت ابو بکر باقلانیؒ)

پانچویں صدی کے مجدد

حضرت ابو حامد الغزالیؒ

شبیہ حضرت ابو حامد الغزالیؒ

مقبرہ حضرت ابو حامد الغزالیؒ

حضرت ابو حامد الغزالیؒ

نام و نسب

آپ کا نام محمد، کنیت ابو حامد اور لقب حجۃ الاسلام تھا۔ عوام الناس میں آپ امام غزالی کے نام سے مشہور ہیں۔ پورا نام محمد بن محمد بن محمد بن احمد الطوسی تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام بھی محمد تھا جو روئی کاتا کرتے اور طوس میں اپنی دوکان پر اسے بیچا کرتے تھے۔

بعض علماء کے نزدیک اسی مناسبت سے آپ کو غزالی کہا جاتا تھا۔ لیکن تاج الاسلام ابن خمیس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غزالی نے مجھے کہا کہ لوگ مجھے ' غزّالی "یعنی روئی کاتنے والا کہتے ہیں جبکہ میں غزّالی نہیں بلکہ " غَزَالِی "ہوں یعنی طوس کے گاؤں غزالہ کا رہنے والا۔

(سیر اعلام النبلاء جزء14 صفحہ 278)

امام غزالی کے والد نیک صالح شخص تھے لیکن غریب اور روئی کی کمائی سے جس قدر ملتا اسی کا کھانا کھاتے۔ اور اہل فقہ کی مجالس میں آتے جاتے اور ان کی خدمت کیا کرتے تھے اور جس قدر ممکن ہوتا ان پر بطور احسان خرچ کیا کرتے تھے۔ اور جب ان کا کلام سنتے تو رو پڑتے تھے اور خدا تعالیٰ کے حضور تضرع سے دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے دونوں بیٹوں کو اپنی جناب سے رزق عطا کر اور ان کو فقیہہ بنا۔ پھر جب بھی امام غزالی کے والد محترم کو وقت میسر آتا وہ واعظوں کی مجالس میں جاتے تو رو رو کر اللہ سے التجا کرتے کہ یا اللہ میرے دونوں بیٹوں کو واعظ بنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا۔ ان کے ایک بیٹے ابو حامد اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ فقیہہ، اپنے زمانہ کے امام اور اپنے میدان کے شہسوار ہوئے۔ اور دوسرے بیٹے احمد ایسے بہترین واعظ بنے کہ بہری چٹانیں بھی پھٹ پڑتیں اور ان کی مجالس ذکر میں حاضرین پر کپکپی طاری ہو جایا کرتی۔

(طبقات الشافعیہ للسبکی جزء6 صفحہ 194)

پیدائش اور ابتدائی تعلیم وتربیت

آپ 450ھ میں خراسان کے ضلع طوس کے شہر طاہران میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم نے وفات سے قبل اپنے ایک صوفی دوست کو وصیت کی کہ میں تو تعلیم حاصل نہیں کر سکا لیکن میری خواہش ہے کہ تم میرے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا۔ چنانچہ امام غزالی نے ابتدائی تعلیم طاہران میں ہی اس صوفی سے حاصل کی۔ بعد میں جب انکے والد محترم کی جمع پونجی ختم ہوگئی تو صوفی صاحب نے مالی حالات کی تنگی کی وجہ سے ان کی تعلیم سے معذرت کرلی۔ اور مدرسہ میں داخل ہونے کا کہا۔

چنانچہ امام غزالی اپنے بھائی کے ساتھ ایک مدرسہ میں داخل ہو کر تحصیل علم کرنے لگے۔ علامہ سبکی کے نزدیک امام غزالی کی سعادت اور اعلی درجہ کا یہی امر سبب بنا۔

(طبقات الشافعیہ للسبکی جزء6 صفحہ 194)

امام غزالی نے فقہ کا ایک حصہ اپنے علاقہ میں ہی احمد بن محمد الراذکانی سے پڑھا۔ اس کے بعد جرجان میں امام ابو نصر اسماعیلی سے تعلیقات نوٹ کیں پھر طوس واپس آ گئے۔

خدائی اشارہ

امام اسعد المیہنی کہتے ہیں کہ میں نے امام غزالی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ واپسی پر راستے میں ہم پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور جو کچھ بھی میرے پاس تھا سب لوٹ لیا۔ آپ نے ڈاکوؤں کے سردار سے صرف اپنی تعلیقات کی واپسی کا نہایت عاجزی سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا آپ کو کیا فائدہ براہ کرم مجھے یہ واپس کر دیں۔ تو سردار نے کہا کہ ان تعلیقات میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان میں میرا علم ہے جس کے لیے میں نے ہجرت کی اور ان کو لکھا۔ اس پر سردار ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہو کہ یہ علم تم نے سیکھا ہے جبکہ ہم نے اسے تم سے چھین لیا اور تم بغیر علم کے ہو گئے اور پھر اپنے ساتھیوں سے کہہ کر وہ تعلیقات واپس دے دیں۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ خدائی اشارہ تھا کہ وہ میری اس بارہ میں رہنمائی کرے پس جب میں واپس طوس آیا تو تین سال میں یہ سب تعلیقات وغیرہ حفظ کر لیں کہ اب کوئی ڈاکو مجھ سے میرا علم نہیں چھین سکتا اور میں بغیر علم کے نہیں رہ سکتا۔ (طبقات الشافعیہ للسبکی جزء6 صفحہ 195)

امام الحرمین کی شاگردی

اس کے بعد آپ نیشاپور چلے گئے اور وہاں امام الحرمین ابو معالی عبد الملک جوینی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور انتھک محنت کی یہاں تک کہ آپ مذہب اور اصول دین، علم الخلاف و علم منطق میں ماہر ہو گئے۔ آپ نے حکمت اور فلسفہ پڑھا اور ہر ایک پر عبور حاصل کیا۔ ان علوم کے ماہرین کی باتوں کا فہم حاصل کیا جو ان کے غلط دعووں کو رد کیا۔ اور ان علوم کے متعلق کافی کتب تصنیف کیں۔

امام الحرمین اپنے شاگردوں کی تعریف یوں بیان کیا کرتے تھے کہ ''غزالی بحر زخار ہے، الکیا خونخوار شیر ہے اور خوافی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء جزء 14 صفحہ 274)

وزیر نظام الملک کی مجالس

478ھ میں جب امام الحرمین کی وفات ہو گئی تو امام غزالی وزیر نظام الملک کے دربار میں آ گئے کیونکہ نظام الملک کی مجالس اہل علم سے بھرپور ہوتی تھیں۔ امام غزالی وہاں اس مجلس میں علماء سے مناظرے کیا کرتے اور یوں ان کے اختلافات و تنازعات کو ختم کیا۔ آپ کا کلام ان پر غالب ہوا اور ان علماء نے آپ کے علم و فضل کو مانا اور آپ کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور وزیر نظام الملک نے آپ کی قابلیت اور علمی استعداد کے پیش نظر بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی تدریس و انتظام 34 برس کی عمر میں آپ کے سپرد کر دیا۔

مدرسہ نظامیہ میں درس و تدریس

آپ 484ھ میں بعمر 34 سال بغداد تشریف لائے اور مدرسہ نظامیہ میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ لوگوں نے آپ کے حسن کلام، کمال فضل، فصاحت لسانی، نکات دقیقہ اور اشارات لطیفہ کو پسند کیا اور آپ سے محبت کرنے لگے۔

آپ ایک عرصہ تک یہ تدریسی خدمات بجالاتے رہے اور علم، فتاویٰ اور تصانیف کو پھیلاتے رہے۔ اور آپ کی تبحر علمی اور فراست کی وجہ سے بغداد میں کافی اثر و رسوخ ہو گیا یہاں تک کہ آپ ایک

بڑے رئیس اور بااثر امراء میں شمار ہونے لگے۔ آپ اس وقت کی اسلامی دنیا کے دو بنیادی حکومتی حلقوں خاندان سلجوق اور آل عباس دونوں کے منظور نظر تھے۔

فرقہ باطنیہ کے رد میں کتاب

487ھ میں جب مستظھرباللہ خلیفہ ہوئے تو امام غزالی نے بھی ان کی بیعت کی۔ پھر خلیفہ نے فرقہ باطنیہ کے رد میں امام غزالی کو کچھ تصنیف کرنے کا کہا تو امام غزالی نے ایک کتاب "المستظھر" تصنیف فرمائی۔

(الغزالی صفحہ 28)

زہد و انقطاع الی اللہ

امام غزالی کا زہد اور انقطاع الی اللہ کا واقعہ بھی منفرد ہے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ بااثر لوگوں میں شامل تھے اور صاحب جاہ و حشمت تھے اور آپ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ مدرسہ نظامیہ کے تین سو طلباء آپ کے شاگرد تھے۔ علم و فضل کا شاہکار تھے۔ لیکن یکدم اس سب جاہ و شہرت سے قطع تعلق کر کے زہد کو اختیار کر لینا ایک عجیب بات ہے۔ اس کا محرک آپ کی محققانہ فطرت تھی۔ آپ نے بغداد میں موجود تمام دینی و مذہبی فرقوں کا مطالعہ کیا ان کے عقائد کو پرکھا، جانچا۔

امام اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں اس کا مفصل ذکر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ متکلمین، اہل فلسفہ، باطنیوں، ظاہری، متعبدین، صوفیاء، زنادقہ وغیرہ سے ملتے اور ان سے ان کے عقائد کے بارہ میں معلومات حاصل کر کے انہیں جانچتے تا کہ حق و باطل اور سنت و بدعت میں تمیز کر سکیں...... آہستہ آہستہ اس کا اثر یہ ہوا کہ عقائد موروثہ کے بندھن ٹوٹ گئے۔ اور آپ نے جانا کہ حقیقی علم تو یہ ہے جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ رہ جائے......اس مقصد کی خاطر آپ نے علم کلام حاصل کیا اس کے محققین کی کتب کا مطالعہ کیا اس کے متعلق تحقیق کی۔ پھر علم فلسفہ سیکھا۔ باوجود اس کے کہ آپ کو 300 طلباء ہونے کی وجہ سے فرصت کم تھی۔ علم فلسفہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اسے بھی اپنے لیے کافی نہ سمجھا کہ محض عقل تمام مطالب کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ تمام اسرار سے پردہ اٹھا سکتی ہے۔ پھر باطنیوں کا مطالعہ کیا اس

کے بعد تصوف کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس پر ان کی کچھ تسلی ہوئے اور انہوں نے زہد و انقطاع الی اللہ کا فیصلہ کیا۔

(المنقذ من الضلال للغزالی جزء1 صفحہ 109 تا130)

آپ کے اس قصد سفر پر ائمہ اہل عراق آپ کو ملامت کرنے لگے کیونکہ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس ترک و انقطاع کی کوئی دینی وجہ بھی ہو سکتی ہے اس لیے کہ ان کے خیال میں آپ کو دین کا اعلیٰ منصب حاصل تھا اور یہ ان کے نزدیک علم کا انتہائی مقام تھا۔ پھر لوگوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔ حکام بالا کا اصرار تھا کہ آپ یہ سفر ترک کر دیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام اور علوم دین کے لیے آپ کی وہاں زیادہ ضرورت تھی۔ اس کے باوجود آپ حج کے لیے ذی قعدہ 488ھ میں روانہ ہوئے اور مدرسہ میں تدریس کے لیے اپنے بھائی کو بطور نائب مقرر کیا۔

(المنقذ من الضلال للغزالی جزء1 صفحہ 175 تا176)

سفر دمشق وبیت المقدس

489ھ میں دمشق گئے جامع دمشق کے غربی منارہ میں اعتکاف کیا۔ وہاں آپ جامع اموی میں شیخ نصر مقدسی کی مجالس میں اکثر جایا کرتے تھے۔ جامع اموی آپ کی نسبت سے آجکل جامع غزالی کے نام سے مشہور ہے۔

وہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد بیت المقدس چلے گئے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ

”ایک دن آپ مدرسہ امینیہ گئے وہاں کسی مدرس نے جو آپ کو جانتا نہ تھا، اپنے درس کے دوران کہا کہ امام غزالی نے اس بارہ میں یہ لکھا ہے۔ آپ نے وہ فقرہ سن لیا اور اس خیال سے کہ یہ بات مجھ میں عجب اور تکبر پیدا نہ کر دے وہاں سے کوچ کر گئے۔“

(طبقات الشافعیہ للسبکی جزء6 صفحہ 199)

علامہ ابن اثیر کے مطابق اسی سفر کے دوران اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ”احیاء علوم الدین“ تصنیف فرمائی۔ جو دمشق میں بہت مقبول ہوئی۔ آپ نے تصوف میں شیخ علی فارمدی کی بیعت کی۔

مصر میں آمد

بیت المقدس میں کچھ عرصہ مجاورت اختیار کی اور مقام ابراہیم کی زیارت کی۔ اس کے بعد امام غزالی اسکندریہ مصر میں کچھ مدت رہے۔ محمد بن یحی عبدری بیان کرتے ہیں کہ "میں نے 500ھ میں امام غزالی کو اسکندریہ میں دیکھا یہ ایسے ہی تھا جیسے سورج مغرب سے طلوع ہوا ہو انہوں نے بدعات کا خاتمہ کیا۔ لیکن چند دن بعد مجھے ان کی کتب کو محض شک کی بنیاد پر جلائے جانے کی خبر پہنچی۔"

(سیر اعلام النبلاء جزء14 صفحہ 274)

امام غزالی نے مراکش میں یوسف بن تاشفین سے ملاقات کا قصد کیا لیکن اس کی وفات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ غرض دس برس یونہی بیت گئے۔

خلوت سے جلوت کی طرف

اللہ تعالیٰ نے امام غزالی سے جو عظیم کام لینے تھے اس کے لیے ان کا زاویہ خمول سے نکلنا ضروری تھا پس اس صوفیانہ حال میں ایک مدت گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے امام غزالی کے دل میں ڈالا کہ اب گوشہ نشینی اور خلوت پسندی محض سستی اور راحت طلبی اور تن آسانی کے لیے ہو گی۔ جبکہ زمانہ نبوت سے بُعد کی وجہ سے ہر طرف باطل ہی باطل ہے۔ فلسفہ نے مذہب کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ظاہری احکام پر عمل کرنے والے تو موجود ہیں لیکن ایمان کی حقیقت سے نابلد۔ علماء و فضلاء کی یہ حالت تھی کہ نہ نماز پڑھتے، نہ حرام سے بچتے، شراب خوری، اکل مال یتیم اور رشوت خوری ان کا وطیرہ بن چکا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ سلطان وقت نے ان کو تاکیدی حکم بھیجا کہ نیشاپور پہنچو اور وہاں کے معاملات سنبھالو۔

امام غزالی نے چند بزرگان سے مشورہ کے بعد ترک عزلت نشینی کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ

"صالحین نے بھی خوابیں دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدی کے سر پر اس امر میں خیر ورشد کی گواہی دے رہی تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایسے آدمی پیدا کرتا ہے جو اس امت کے دین کو تازہ کرتا ہے۔ ان سب آثار و قرائن سے

مجھے بھی اس کی امید پیدا ہوئی، اللہ تعالیٰ نے میرے لیے نیشاپور کا سفر کر دیا اور میں نے اس کار عظیم کا ارادہ کر لیا...... پانچویں صدی کے شروع میں ایک ہی مہینہ باقی تھا۔ یہ ذی قعدہ 499ھ کا واقعہ ہے۔ بغداد سے ذی قعدہ 488ھ میں نکلا تھا اس طرح سے میری گوشہ نشینی کی مدت 11 سال ہوتی ہے۔ یہ سب خدائی تقدیر ہے۔"

(المنقذ من الضلال جزء 1 صفحہ 196-197)

نیشاپور میں درس و تدریس

ذی قعدہ 499ھ میں امام غزالی نیشاپور روانہ ہوئے اور مدرسہ نظامیہ کی مسند درس کو زینت بخشی اور دوبارہ تدریس کا کام شروع کر دیا۔ لیکن پہلے کی اور اب کی تدریس میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ پہلے میں حصول جاہ کے لیے پڑھاتا تھا اب اپنی اور متعلم کی اصلاح کے لیے پڑھاتا ہوں۔

تصنیفات پر اعتراضات

آپ کی شہرت اور چرچے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور حکومتی سطح پر اور عوام الناس میں بھی آپ کی قدر و منزلت بھی بہت تھی۔ یہ بات حاسدین کو ہضم نہ ہوئی۔ اور انہوں نے آپ کے خلاف مختلف پروپیگنڈے کرنے شروع کر دیئے۔ اور آپ کی تصنیفات کے مختلف معانی بنا کر اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور سلطان وقت کو بھی اکسانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ کسی شخص نے اس پر اپنی دلی تکلیف کا اظہار کیا تو آپ نے اس کا مفصل جواب دیا جو رسالہ فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة کے نام سے موجود ہے:

"برادر مشفق! حاسدین کا گروہ جو میری بعض تصنیفات پر نکتہ چینی کر رہا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ تصنیفات قدمائے اسلام اور مشائخ اہل کلام کے خلاف ہیں اور یہ کہ اشعری کے عقیدے سے بال برابر ہٹنا کفر ہے اس پر جو تم کو صدمہ ہوتا ہے اور تمہارا دل جلتا ہے میں اس سے واقف ہوں لیکن عزیز من! تم کو صبر کرنا چاہیے۔ جب رسول اللہ ﷺ مطاعن سے نہ بچ سکے تو میری کیا ہستی ہے؟"

(فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة صفحہ 13 تا 15)

تدریس سے معذرت

ملک شاہ کے بیٹے سلطان سنجر سلجوقی کے دور حکومت اور نظام الملک کے بیٹے فخر الملک کے زمانۂ وزارت میں آپ نے مدرسہ نظامیہ کی تدریس سے معذرت کرلی اور طوس واپس آگئے اور وہاں ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور تعلیمی وتربیتی خدمات بجالانے لگے۔

500ھ میں جب نظام الملک کے بڑے صاحبزادے احمد وزیر اعظم مقرر ہوئے تو انہوں نے مدرسہ نظامیہ کے لیے آپ کو دوبار دعوت دی۔ اور اس وقت کے عباسی خلیفہ نے بھی اس بارہ میں امام غزالی کو تحریک کی اور تمام ارکان خلافت عباسی نے دستخطوں کے ساتھ ایک عریضہ آپ کی خدمت میں بھجوایا۔ نیز احمد بن نظام الملک نے بھی ایک الگ خط لکھا۔ ان تمام خطوط کے جواب میں امام غزالی نے بغداد نہ آنے کے متعدد عذر کیے جن میں سے ایک یہ تھا کہ طوس میں ڈیڑھ سو کے قریب طلباء تحصیل علم میں مشغول ہیں جو بغداد آنے سے قاصر ہیں۔ دوسرے ان کے اہل و عیال کے لیے بغداد آنا مشکل ہوگا۔ تیسرے یہ کہ میں نے مقام ابراہیم پر عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ ومباحثہ نہ کرونگا۔ جبکہ بغداد میں ایسا ممکن نہیں۔ پھر یہ کہ دربار خلافت میں سلام کے لیے حاضر ہونا پڑے گا جو مجھے قبول نہیں۔ نیز بغداد میں میری کوئی جائیداد نہیں۔ ان سب باتوں کے پیش نظر آپ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

(الغزالی صفحہ 51-52)

درس حدیث

امام غزالی اطلبوا العلم من المھد الی الکھلا کے مصداق تھے۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے ایک مشہور محدث حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی سے صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھی اور اس کی سند حاصل کی۔ (سیر اعلام النبلاء جزء14 صفحہ 265) علامہ ابن عساکر کے نزدیک آپ نے صحیح بخاری ابو اسماعیل حفصی سے پڑھی۔ (الغزالی صفحہ 52)

آخری تصنیف اور وفات

انتقال سے ایک سال قبل آپ نے اصول فقہ پر ایک کتاب " السمتصفی "تصنیف کی جو امام صاحب کی آخری معرکۃ الآراء تصنیف تھی۔ امام غزالی 14 جمادی الثانی 505ھ کو بعمر 55 سال طاہر ان

میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وفات کے حالات کے بارہ میں علامہ ابن جوزی نے ان کے بھائی احمد غزالی کی روایت نقل کی ہے کہ "دوشنبہ کے دن وہ صبح اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں کو لگا کر کہا" سمعا و طاعة للدخول علی الملك "یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی۔"

(طبقات الشافعیہ للسبکی جزء6 صفحہ 201)

آپ کی اولاد میں صرف بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔

فضائل و مناقب

امام غزالی نے اپنی علمی و عملی خدمات اور ہمہ گیر شخصیت سے عالم اسلام پر گہرا اثر ڈالا۔ ان کی تصانیف نے مسلمانوں کو ایک نیا میدان تحقیق فراہم کیا۔ آپ کے دور میں مسلمان علمی کمزوریوں کے علاوہ اخلاقی و اصلاحی کمزوریوں کا بھی شکار تھے اور غفلت و جہالت کے بادل ان پر چھا گئے تھے۔ ایسے نازک دور میں آپ نے اپنی سحر انگیز خطابت اور اپنی روحانی اثر انگیز شخصیت سے مسلمانوں میں دینی و ایمانی روح پھونک دی۔ مادہ پرستی کے اس دور میں آپ نے لوگوں کو دنیا طلبی کی جگہ خدا طلبی کی خواہش پیدا کر دی۔ علماء جو مختلف اخلاقی گراوٹوں کا شکار تھے ان کو توجہ دلائی اور ان کو صراط مستقیم پر چلایا۔ اورآپ نے اپنے علم و عمل سے اس صدی کے لوگوں کو تمام مروجہ علوم سے بہرہ ور کیا۔ اور اخلاق کریمہ سے مزین کیا۔

آپ کا ایک کارنامہ تو فلسفہ و باطنیت کے مقابل پر اسلام کا دفاع کیا جبکہ دوسرا کارنامہ زندگی و معاشرت کا اسلامی جائزہ اور اس کی اصلاح و تجدید کی کوشش تھی، آپ کی اس کوشش کا نتیجہ آپ کی تصنیف احیاء علوم الدین ہے۔

آپ نے سلاطین و حکام وقت کے سامنے کلمہ حق کہا۔ ان کے دین اسلام کی طرف توجہ دلائی۔ علماء کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا۔ عوام کو فکری حریت عطا کی۔ اسلام کا غلبہ فلسفہ، باطنیت اور دیگر ادیان باطلہ پر ثابت کر دکھایا۔

تصنیفات

امام غزالی 20 سال کی عمر سے لے کر اپنی وفات سے ایک سال قبل تک تصنیف کا کام فرماتے رہے یوں آپ نے سینکڑوں کتب تصنیف کیں۔ آپ روزانہ قریباً 16 صفحات تحریر فرماتے۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں مجتہدانہ انداز میں اصول و عقائد پر گفتگو کی۔ صفات باری تعالیٰ، نبوت، معجزات، امور شریعت، جزا سزا، عالم برزخ، قیامت وغیرہ کے متعلق متکلمانہ انداز میں گفتگو کی۔ اسی طرح اشعری علم کلام کی تجدید کی خدمت انجام دی۔ فلسفہ پر تنقید کا سہرا آپ کے سر پر ہے۔ آپ کی کتاب ''تہافت الفلاسفہ'' سے اہل فلسفہ میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ فلسفہ کے علاوہ امام غزالی نے فتنہ باطنیت کے خلاف علمی جہاد کیا۔ کتاب المستظہری کے علاوہ اس موضوع پر فضائح الباطنیہ وغیرہ بھی لکھی۔

آپ کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں:

المنحول،المنتحل فی علم الجدل، تهافت الفلاسفة،ومشكاة الانوار،المنقذ من الضلال ،الإحياء،كتاب الاَرْبَعِيْنَ، وَكِتَاب القِسطَاس،البَسيطَ وَ الوسيطَ وَ الوجِيْزَ، المُسْتصفَى، الاقتصاد فی الاعتقاد،محك النظر،بداية الهداية،فيصل التفرقة بين الإسلام والزندقة وغیرہ

چھٹی صدی کے مجدد

حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ

شبیہ حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ
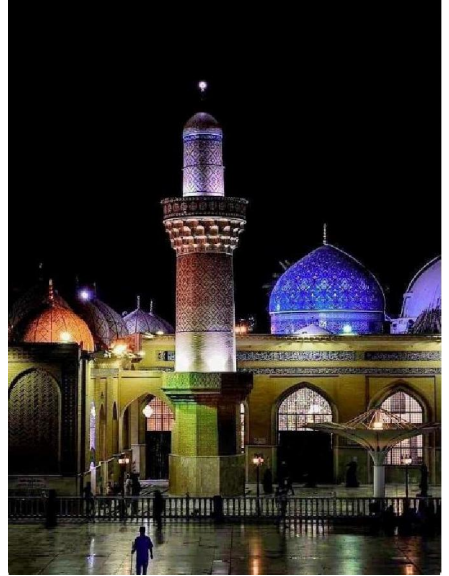
مقبرہ حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ

حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ

نام ونسب

آپ کا نام عبد القادر، کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین تھا۔ عوام الناس میں آپ غوث اعظم کے عرف سے مشہور ہیں۔ آپ کے والدماجد کا نام سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست (مجاہد) اور والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر فاطمہ بنت عبد اللہ صومعی تھا۔ آپ نجیب الطرفین تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب والد محترم کی طرف سے گیارہ واسطوں سے اور والدہ محترمہ کی طرف سے چودہ واسطوں سے خلیفۂ راشد داماد رسولؐ حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔

والد محترم حضرت امام حسن کی نسل سے اور والدہ محترمہ حضرت امام حسین کی نسل سے تھیں۔ آپ کا والد محترم کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے :ابو محمد عبد القادر بن ابو صالح جنگی دوست بن ابو عبد اللہ بن یحی زاھد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ ثانی بن عبد اللہ ابو المکارم بن موسیٰ الجون بن عبد اللہ المحض بن حسن مثنی بن امام حسنؓ بن حضرت علیؓ۔

آپ اپنے نام ونسب کے بارہ میں لکھتے ہیں:

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَ الْمُخْدَعُ مَقَامِیْ
وَ اَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ
وَ عَبْدَ الْقَادِرِ الْمَشْھُور اِسْمِیْ
وَ جَدِّی صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

(قصیدہ غوثیہ)

یعنی میں حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں اور میرا مقام مخدع ہے اور تمام اولیاء کی گردن پر میرے قدم ہیں اور میرا مشہور نام عبد القادر ہے اور میرے آباءواجداد سرچشمۂ کمالات ہیں۔

پیدائش

آپ 11 ربیع الثانی 470ھ میں ملک فارس کے علاقہ گیلان کے قصبہ نیف میں عالم وحدت سے عالم ناسوت میں آئے۔ عربی زبان میں "گ" کو "ج" سے لکھا اور پڑھا جاتا ہے اس طرح آپ جیلانی کہلائے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش یکم رمضان 471ھ میں علاقہ جیل میں ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کو جیلی بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے قصیدہ غوثیہ میں لکھا ہے:

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحَیُّ الدِّیْنِ اِسْمِی

وَ اَعْلَامِیْ عَلٰی رَاْسِ الْجِبَالِ

(قصیدہ غوثیہ)

یعنی میں جیلیؒ (علاقہ جیلی کا رہائشی ہوں) اور میرا نام محی الدین ہے اور میری عظمت کے نشان پہاڑوں کی چوٹیوں پر گڑے ہوئے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گیلان، جیلان، جیلی وغیرہ ایک ہی علاقہ کے مختلف نام ہیں جو بغداد کے جنوب میں مدائن کے قریب ہے۔

ایام طفولیت

بچپن میں ہی والد محترم کی وفات ہوگئی۔ آپ کے نانا نے آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا۔ آپ اپنی عمر کے دوسرے بچوں کی نسبت دانشمند اور ذہین تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے نانا بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

حضرت عبد القادر جیلانی کی پیدائش اولیاء وعارفین باللہ کے خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم ابو صالح، آپ کے دادا عبد اللہ بن یحی زاہد اور نانا عبد اللہ صومعی اہل ارشاد اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ اور آپ کی پھوپھی عائشہ عابدات، صالحات اور عارفات باللہ تھیں۔ اس وجہ سے آپ کو ولد الاشراف کہا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے آپ کی تربیت ایک پاک خاندان میں ہوئی اور

قرآن و حدیث کا ابتدائی علم بھی گھر والوں سے ہی حاصل کیا۔ پھر جیلان کے مقامی مکتب میں کچھ تعلیم پائی۔

قصد سفر بغداد

آپ ایسے ولی کامل تھے جن کو بچپن سے ہی کشف و الہامات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ایک کشف کی بناء پر اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے مزید تحصیل علم کے لیے بغداد جانے کی اجازت طلب کی۔ عمر رسیدہ پاکباز والدہ نے اپنے خاوند کے ترکہ اسّی دیناروں میں سے چالیس دینار ان کے بھائی سید ابو احمد عبد اللہ کے لیے رکھے اور باقی چالیس ان کی قمیص میں سی دیئے۔ دعا کے ساتھ رخصت کرنے لگیں تو سید عبد القادر نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ والدہ محترمہ نے کہا کہ سچ کا دامن تھام لو اور جھوٹ کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دینا۔ آپ نے اپنی بوڑھی ماں سے اس بات کا عہد کیا اور رخت سفر باندھا۔

ڈاکوؤں کا حملہ

آپ ایک قافلہ کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمدان تک تو سب خیریت رہی جب آگے کوہستانی علاقہ وادئ ربیک میں پہنچے تو ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا اور تمام ساز و سامان لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کے پاس بھی کچھ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو نے آپ کی بات مذاق میں اڑادی اور چلا گیا۔ پھر دوسرا ڈاکو آیا اس نے بھی وہی سوال کیا اور آپ نے پہلے والا جواب دیا۔ ڈاکو نے یہ بات مذاق سمجھی اور چلا گیا پھر جب دونوں ڈاکوؤں نے یہ بات اپنے سردار سے کی تو سردار نے آپ کو طلب کیا اور پوچھا کہ کیا واقعی آپ کے پاس چالیس دینار ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں، ہیں۔ تو سردار نے کہا کہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری قمیص میں سلے ہوئے ہیں۔ سردار نے قمیص ادھیڑ کر دیکھی تو واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ ڈاکوؤں کا سردار اور ڈاکو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ سردار نے پوچھا کہ بچے! تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہو وہ لوٹ لیتے ہیں، پھر تم نے کیوں اپنے چالیس دیناروں کا بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ تو میں کیونکر چالیس دینار کی خاطر اپنی ماں کی نصیحت کو نظر انداز کر دیتا۔ آپ کے یہ

الفاظ ڈاکو سردار کے سینے میں پیوست ہوگئے اور شرم وندامت سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور بولا کہ اے بچے! تم نے اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اتنا پاس رکھا اور افسوس کہ میں اپنے خالق حقیقی کا عہد برسوں سے توڑ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے راہزنی اور باقی برائیوں سے توبہ کرلی اور سردار کو دیکھ کر باقی ڈاکوؤں نے بھی ایسا ہی کیا اور قافلہ کا تمام سازوسامان واپس کر دیا۔ یہ پہلی توبہ تھی جو گمراہ لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر کی۔

(قلائد الجواہر فی مناقب عبد القادر از علامہ محمد بن یحی الحلبی (متوفیٰ 963ھ) صفحہ 9)

بغداد میں آمد

الغرض اٹھارہ سال کی عمر میں 488ھ کو عباسی خلیفہ مستظہر باللہ کے دور میں آپ بغداد تشریف لائے۔ بغداد میں آپ عسرت کی حالت میں رہنے لگے۔ نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔ ایک دن آپ حلال رزق کی تلاش میں کھنڈرات کی طرف گئے وہاں پہلے سے فقراء و اولیاء موجود تھے۔ آپ واپس شہر لوٹ آئے۔ راستے میں جیلان کے ایک شخص نے آپ کو ایک سونے کا ٹکڑا دیا اور کہا کہ یہ سونا تمہاری ماں نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ آپ نے کھنڈرات کے فقراء و اولیاء کو سونے کا کچھ حصہ دیا اور بتایا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے۔ باقی سونے کا کھانا خرید کر بغداد شہر کے فقراء کے ساتھ مل کر کھایا۔ (قلائد الجواہر صفحہ 9) زمانہ طالبعلمی میں آپ نے بہت صعوبتیں اٹھائیں۔

اساتذہ

بغداد میں آپ شیخ ابو سعید مخرمی کے مدرسہ نظامیہ سے منسلک ہوگئے۔ علم فقہ ابو سعید مخرمی سے سیکھا اور اِنہوں نے ہی آپ کو لباس خرقۃ پہنایا۔ علوم حدیث ابو محمد جعفر السراج سے، علم ادب و لسان ابوزکریا یحی بن علی تبریزی سے، علم تصوف حماد بن مسلم الدباس سے سیکھا۔

عبادت الٰہی اور مجاہدات

سید عبد القادر جیلانی 488ھ سے 496ھ تک تمام علوم دنیوی پر دسترس حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے 25سال تک سخت مجاہدے و مراقبے کیے۔ تزہد و تعبد اختیار کرتے ہوئے کثرت عبادت و ریاضت سے فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہوگئے۔ آپ اپنی تمام خواہشات سے کنارہ کش ہوگئے۔ 26سال

کی عمر عنفوان شباب میں دنیاوی چیزوں کو چھوڑ دینا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ شیخ ابو عبد اللہ نجّار بیان کرتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی نے مجھ سے اپنے واقعات اس طرح بیان کیے کہ میں جس قدر مشقتیں برداشت کرتا تھا اگر وہ کسی پہاڑ پر ڈال دی جائیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا اور جب وہ مشقتیں میری قوت برداشت سے باہر ہو جاتیں تو میں زمین پر لیٹ کر کہتا کہ " فانّ مع العُسر یُسرا انّ مع العسر یسرا "۔ اس سے مجھے سکون مل جاتا۔

(قلائد الجواہر صفحہ 10)

آپ نے عراق کے جنگلوں اور ویرانوں کو اپنا مسکن بنالیا۔ آپ کی خوراک لوگوں کی پھینکی ہوئی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ روزے کثرت سے رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی جوانی میں ہی حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ عبادت الٰہی کا بہت شوق تھا۔ آپ ہمیشہ باوضو رہتے۔

احیائے دین واصلاح وارشاد

سید عبد القادر جیلانی جس دور میں بغداد آئے اس وقت اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ پہلی صلیبی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی سیاسی ابتری کے ساتھ اخلاقی پستی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ عالم اسلام کی حالت ابتر تھی۔ معتزلی، باطنی، بدعتی فتنے اپنے عروج پر تھے۔ خلق قرآن اور تقدیر وغیرہ کے مسائل نے لوگوں کے ایمان کو متزلزل کر دیا تھا اور رہی سہی کسر علمائے سوء اور نام نہاد صوفیاء نے پوری کر دی تھی۔ زنا، خیانت اور منافقت کا بازار گرم تھا۔

ایسے وقت میں آپ میدان میں اترے اور احیائے دین کے لیے جدوجہد شروع کی اور اصلاح وارشاد کے کام کا آغاز کیا۔ آپ نے اپنے وعظ و نصیحت، درس و تدریس وغیرہ سے لوگوں کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کر دی۔ شرک کے خلاف جہاد کیا۔ عالم اسلام کو ایک نئی زندگی بخشی۔ درست اصطلاحات صوفیاء بیان کیں۔ آپ کی تعلیم و فتاویٰ کا ماخذ قرآن وسنت کی تعلیمات ہوا کرتی تھیں۔ آپ کا بنیادی مقصد احیائے اسلام تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو "محی الدین" کا لقب ملا اور اپنے زمانے کے مجدد کہلائے۔

وعظ و نصیحت اور درس و تدریس

شروع میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہؐ تشریف لائے اور آپ سے فرمایا: اے عبد القادر! تم لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے وعظ و نصیحت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں ایک عجمی ہوں۔ عرب کے فصحاء کے سامنے کیسے بولوں؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی تو رسول اللہؐ نے سات دفعہ اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور فرمایا: جاؤ قوم کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو اللہ کے راستے کی طرف بلاؤ۔

آنکھ کھلنے کے بعد آپ نے نماز ظہر ادا کی اور وعظ کے لیے بیٹھے لیکن جھجکتے رہے تو کشفاً حضرت علیؓ کو دیکھا جو کہہ رہے تھے کہ وعظ شروع کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے کہا کہ میں گھبرا گیا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اپنا منہ کھولو تو حضرت علیؓ نے چھ بار اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا۔ آپ نے عرض کیا کہ سات بار آپؓ نے کیوں نہیں لعاب دہن ڈالا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ کے ادب کی وجہ سے ایسا کیا۔ یہ کہہ کر حضرت علیؓ غائب ہو گئے اور آپ نے وعظ کا آغاز کیا۔ لوگ آپ کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

(قلائد الجواہر صفحہ 13)

درس و تدریس

اس کے بعد پہلے تو آپ نے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ ابو سعید مخرمی کے مدرسہ میں 521ھ کو جاری کیا۔ پھر جب آپ کی شہرت عام ہوئی تو عرب و عجم سے لوگ ان جواہر کو سمیٹنے آنے لگے۔ آپ اپنے وعظ میں کسی کی رعایت نہیں فرمایا کرتے تھے اور نہایت پرجوش انداز میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ لوگوں کے دلوں پر میل جم گیا ہے جب تک اسے زور سے رگڑا نہ جائے گا دور نہ ہو گا۔ 528ھ میں مدرسہ کی عمارت میں توسیع کی۔

آپ عموماً ہفتہ میں تین بار وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ 521ھ سے 561ھ تک چالیس سال جاری رہا۔ شیخ عمر کا بیان ہے کہ کوئی مجلس خالی نہیں جاتی تھی جس میں یہود و نصاریٰ ایمان نہ لاتے

ہوں یا قاتل ڈاکو توبہ نہ کرتے ہوں۔ (قلائد الجواہر صفحہ 63) ایک روایت کے مطابق پانچ ہزار سے زائد یہود و نصاریٰ نے آپ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔

(بہجتہ الاسرار صفحہ 36)

خضر علیہ السلام سے ملاقات

حضرت خضرؑ سے آپ کی کئی دفعہ ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ بغداد میں داخل ہوتے وقت اور دوسری مرتبہ حضرت سید عبد القادر جیلانی خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میں نے لوگوں کو وعظ کرنا شروع کیا تو میرے پاس ابو العباس خضر علیہ السلام میرے امتحان کے لیے تشریف لائے جیسا کہ مجھ سے پہلے اولیاء کا امتحان لیا کرتے تھے۔ پھر مجھ پر ان کے راز کا انکشاف ہوا جو میں نے انہیں بتایا تو وہ سر جھکائے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: اے خضر! میں بھی آپ کو ایسا ہی کہوں گا جیسا آپ نے حضرت موسیٰؑ کو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے تو اے خضر! اب آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ اگر آپ اسرائیلی تھے تو آپ اسرائیلی ہیں تو میں محمدی ہوں۔ یہ گیند ہے اور یہ میدان۔ یہ محمدؐ ہیں اور یہ رحمان۔ یہ میرا گھوڑا تیار کھڑا ہے۔ میری کمان پر چلّہ چڑھا ہوا ہے اور میری تلوار تیز دھار ہے۔

(قلائد الجواہر صفحہ 13)

فتویٰ نویسی

سید عبد القادر جیلانیؒ علم کا بحر ذخار تھے۔ آپ کے علم و فضل کا چرچا جب ہر طرف ہونے لگا تو لوگ دور دراز سے آپ کے پاس استفتاء کے لیے آنے لگے۔ 528ھ کو آپ نے فتویٰ دینا شروع کیا۔ آپ بالعموم حنبلی فقہ یا پھر شافعی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ علماء و فقہاء آپ کے فتاویٰ کی صحت کے قائل تھے۔ (قلائد الجواہر صفحہ 38)

وفات

ربیع الثانی 561ھ کو سید عبد القادر جیلانیؒ نوّے سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے اپنی وفات کی خبر اپنے اہلخانہ کو پہلے سے ہی دے دی تھی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ عبد

الوہاب نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین باب الازج کے مدرسہ میں ہوئی۔ آپ کی وفات پر بہت سے علماء و فقہاء نے مرثیے لکھے۔

ازواج واولاد

سید عبد القادر جیلانی نے چار شادیاں کیں۔ چاروں بیویوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے نوازا۔ آپ کے کل 27 بیٹے اور 22 بیٹیاں تھیں۔ آپ کے صاحبزادوں میں سے اکثر عالم وفاضل بنے۔ مشہور صاحبزادوں کے نام یہ ہیں :شیخ عبد الوہاب، شیخ عبد الرزاق، شیخ عیسیٰ، شیخ ابوبکر عبدالعزیز، شیخ عبدالجبار وغیرہ

تصنیفات

سید عبد القادر جیلانیؒ نے حقائق و معارف سے بھری متعدد تصنیفات بزبان عربی وفارسی یادگار چھوڑیں۔ جن میں سے معروف یہ ہیں :غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، کبریت احمر، السبوع الشریف، اور ادالجیلانی، اغاثۃ العارفین وغایۃ من الواصلین، جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر، تحفۃ المتقین و سبیل العارفین، حزب الرجاء ووالانتہاء، آداب السلوک، الرسالۃ الغوثیۃ، فتح الربانی و الفیض الرحمانی، یواقیت الحکم، معراج لطیف المعانی، سر الاسرار فی التصوف، المواہب الرحمانیۃ وغیرہ۔ اس کے علاوہ آپ کے اشعار کا مجموعہ ”دیوان غوث اعظم“ اور چودہ قصائد جن میں قصیدہ غوثیہ بھی شامل ہے، مشہور عام ہیں۔

شاگردانِ رشید

سید عبد القادر جیلانیؒ سے بہت سے متلاشیان علم و معرفت نے فیض اٹھایا۔ آپ نے اپنے خاص شاگردوں کو مختلف ممالک میں تبلیغ کے لیے بھجوایا اور مدارس قائم کروائے۔ اس طرح آپ کے شاگرد ہر طرف پھیل گئے اور آپ سے نسبت رکھنے والے سلسلہ قادریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں سے چند یہ ہیں :ابو الحسن علی بن ابراہیم، شیخ محمود بن عثمان حنبلی، عبد اللہ

بن ابو الحسن الجبائی، حافظ عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی، شیخ ابو علی الحسن بن مسلم القادسی وغیرہ

حقوق اللہ اور حقوق العباد

شیخ عبد القادر جیلانیؒ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام عزالدین بیان کرتے ہیں کہ "اس قدر تواتر کے ساتھ کسی کی کرامتیں نہیں ملتیں جتنی کہ سلطان الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے ظاہر ہوئیں۔ حضرت شیخ نہایت درجہ حساس تھے اور قوانین شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا تھے اور ان کی طرف تمام لوگوں کو متوجہ کرتے تھے۔ مخالفین شریعت سے اظہار تنفر کرتے۔ اپنی تمام تر عبادات، مجاہدات کے باوجود آپ اپنی بیوی اور بچوں کا پورا خیال رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص حقوق اللہ و حقوق العباد کی راہوں پر گامزن رہتا ہے وہ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے مکمل اور جامع ہوتا ہے کیونکہ یہی صفت شارع علیہ السلام حضور اکرمؐ کی بھی تھی۔"

(قلائد الجواہر صفحہ 80)

صبر واستغناء

سید عبد القادر جیلانیؒ صبر و استغناء کا مرقع تھے۔ آپ کو جب آپ کے صاحبزادوں یا صاحبزادیوں کی وفات کی خبر پہنچتی تو آپ صرف انّا للہ و انّا الیہ راجعون فرماتے اور وعظ جاری رکھتے۔

ایک دفعہ بغداد قحط سالی کا شکار ہو گیا۔ لوگوں کا بھوک سے برا حال تھا۔ آپ خودرو سبزیوں اور پتوں کی تلاش میں دریائے دجلہ کے کنارے گئے تو وہاں لوگوں کے ہجوم کو دیکھا جو پہلے ہی ان چیزوں کی تلاش میں تھے۔ اس پر آپ بازار کی مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ شدت گرسنگی سے نڈھال تھے کہ ایک نوجوان بھنا ہوا گوشت اور روٹی لے کر مسجد میں داخل ہوا اور ایک طرف بیٹھ کر کھانے لگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری حالت ایسی تھی کہ جب وہ نوجوان لقمہ اٹھاتا تو میرا منہ خود بخود کھل جاتا۔ پھر آپ نے اپنے نفس کو ملامت کیا کہ اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھ۔ اچانک اس نوجوان کی آپ پر نظر پڑی اور اس نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ پہلے تو آپ نے انکار کیا پھر اس کے اصرار پر کھانے لگے۔ کھانے کے بعد وہ آپ سے آپ کا تعارف پوچھنے لگا تو آپ نے بتایا کہ میں طالب علم ہوں اور جیلان سے تعلق رکھتا ہوں تو اس نوجوان نے کہا

کہ میں بھی جیلان سے ہوں تو کیا آپ ایک شخص عبد القادر کو جانتے ہیں؟ تو اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ تو میں ہی ہوں۔ یہ سن کر وہ نوجوان ہکا بکا رہ گیا اور بے چین ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ میرے بھائی مجھے معاف کر دو میں نے تمہاری امانت میں خیانت کی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیسی امانت؟ اس نے کہا کہ آپ کی والدہ نے آٹھ دینار آپ کے لیے بھیجے تھے۔ میں بغداد آیا اور آپ کے بارہ میں لوگوں سے پوچھتا رہا لیکن کسی سے پتہ نہیں چلا۔ میرے متوقع قیام تک میرے ذاتی پیسے ختم ہو گئے اور میں تین دن تک کھانے کی تلاش میں رہا لیکن کچھ نہ پایا سوائے ان پیسوں کے جو آپ کی والدہ نے آپ کے لیے بھجوائے تھے۔ تو آج میں ان پیسوں سے یہ روٹی اور گوشت خرید کر لایا ہوں اور آپ میرے مہمان نہیں بلکہ میں آپ کا مہمان ہوں۔ آپ نے اس کی امانتداری اور حسن نیت کی تعریف کی اور کچھ دینار اور بقیہ کھانا اسے دیا جسے اس نے قبول کیا اور چلا گیا۔

(بہجۃ الاسرار از الشطنوفی صفحہ 126-127)

مقام و مرتبہ

شیخ عبد اللہ جبائی بیان کرتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ایک شاگرد عمر حلاوی بغداد سے باہر چلا گیا اور جب چند سال غائب رہ کر بغداد واپس آیا تو میں نے پوچھا کہ تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ اس نے کہا کہ میں مصر و شام اور بلادِ مغرب میں گھومتا پھرا۔ جہاں میں نے تین سو ساٹھ مشائخ سے کرام سے ملاقات کی لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ملا جو علم و فضل میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ہم پلّہ ہو اور سب کو یہی کہتے سنا کہ وہ ہمارے شیخ و پیشوا ہیں۔

(قلائد الجواہر صفحہ 54)

ایک مرتبہ سید عبد القادر جیلانیؒ شیخ حماد بن دباس کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصت ہوئے تو شیخ حماد نے کہا کہ اس عجمی کا قدم کسی وقت بلند ہو کر تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہو گا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ تم کہہ دو: قدمی ھذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ یعنی میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ اور جب یہ جملہ ان کے منہ سے نکلے گا تو تمام اولیاء اللہ کی گردنیں پست کر دی جائیں گی۔ اس کے بعد شیخ حماد نے کہا کہ میں نے عبد القادر کے عہد شباب میں یہ دیکھا ہے کہ اس کے سر پر تحت الثریٰ سے لے کر ملاء اعلیٰ تک دو

جھنڈے نصب کیے گئے ہیں اور ایک ہاتف غیبی ببابنگ دہل اس کی عظمت کا اظہار کر رہا ہے۔ (قلائد الجواہر صفحہ 55) چنانچہ ایسا ہی ہوا، حافظ ابو العز عبد المغیث وغیرہ کا بیان ہے کہ جس وقت ہم حلب کی خانقاہ میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مشہور مشائخ عراق کی ایک جماعت آپ کی مجلس میں موجود تھی اور آپ وعظ فرمارہے تھے۔ دوران گفتگو آپ نے مکاشفہ فرمایا اور فرمایا" :قدمی ھذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ۔" یہ سنتے ہی شیخ علی بن الہیتی نے منبر پر چڑھ کر آپ کا قدم اپنی گردن پر رکھ لیا اور تمام حاضرین مجلس نے بھی ایسا ہی کیا۔

(قلائد الجواہر صفحہ 78)

مختلف القابات

سید عبد القادر جیلانی ہمہ گیر شخصیت کے حامل اور تصوف کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کو آپ کے علمی و روحانی مقام کی وجہ سے مختلف القابات سے نوازا گیا جن میں سے مشہور یہ ہیں : ذوالبیانین واللسانین، کریم الجدین والطرفین، صاحب البرھانین والسلطانین، امام الفریقین والطریقین، ذوالسراجین والمنھاجین، الباز الاشھب، محی الدین وغیرہ

دیگر اخلاق فاضلہ

سید عبد القادر جیلانیؒ علم و عرفان کا مینار تھے جس کا اعتراف علامہ ابن جوزی اور دیگر علماء نے بھی کیا۔ عجز و انکساری آپ کا خاص وصف تھا۔ حق گو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نمونہ تھے۔ بسیار گوئی سے پرہیز کرتے تھے۔ غریبوں سے شفقت اور مریضوں کی عیادت آپ کا وطیرہ تھا۔ سخاوت کا مجسمہ اور پیکر عفو کرم تھے۔ نہایت رقیق القلب اور شرم و حیا کی اپنی مثال آپ تھے۔ وسیع القلب، کریم النفس، مہربان، وعدوں کے پاسدار، خوش گفتار اور خوش اطوار تھے۔ آپ بہت غریب پرور اور مساکین کی مدد کرنے والے تھے۔

شیخ معمر بیان کرتے ہیں کہ "میری آنکھوں نے شیخ عبد القادر جیلانی کے سوا کسی کو اتنا خوش اخلاق، وسیع القلب، کریم النفس، نرم دل، مہربان، وعدوں اور دوستی کا پاس رکھنے والا نہیں دیکھا۔ لیکن اتنے بلند مرتبت اور قدر و منزلت اور وسیع العلم ہونے کے باوجود چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش

آتے اور بزرگوں کا احترام کرتے، سلام میں ابتداء کرتے اور بزرگوں کے ساتھ بیٹھتے۔ فقراء کے ساتھ حلم و تواضع سے پیش آتے۔ کبھی کسی حاکم یا بڑے آدمی کے لیے کھڑے نہ ہوتے، نہ کبھی سلطان وزیر کے دروازے پر نہیں جاتے۔"

(قلائد الجواہر صفحہ 19)

آپ کہتے ہیں کہ کسی شیخ کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسند ولایت پر متمکن ہو جبتک اس میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات ستّار و غفّار، رسول اللہ ؐ کی دو صفات شفیق و رفیق، حضرت ابو بکرؓ کی دو صفات صادق و متصدق، حضرت عمرؓ کی دو صفات امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حضرت عثمانؓ کی دو صفات کھانا کھلانے والے اور رات کو نماز پڑھنے والے جب لوگ سو رہے ہوں، حضرت علیؓ کی دو صفات عالم و شجاع موجود نہ ہوں۔

(قلائد الجواہر صفحہ 13-14)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ میں یہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

۞ ۞ ۞ ۞

ساتویں صدی کے مجدد

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ
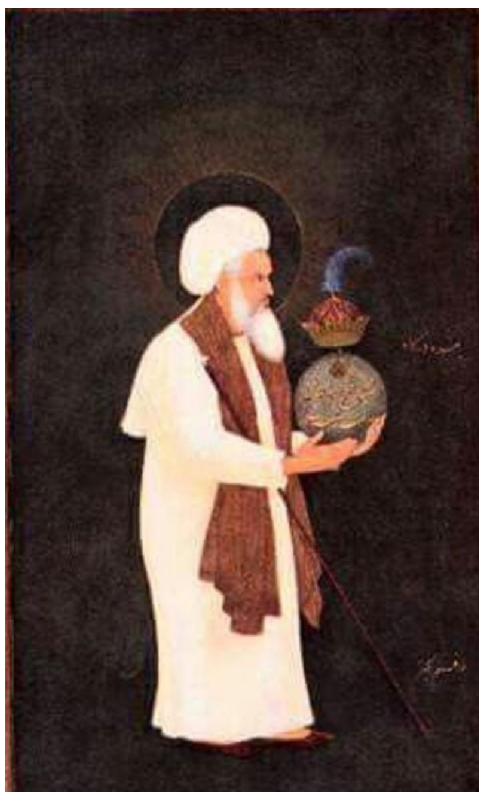
شبیہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ
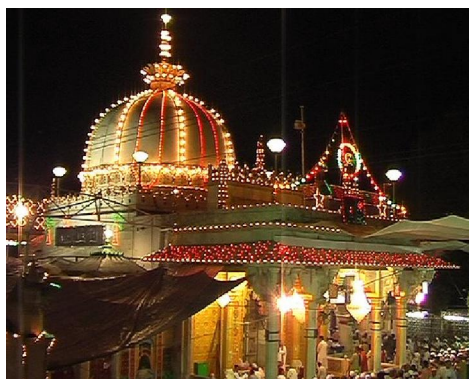
مقبرہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ

نام ونسب

آپ کا نام معین الدین حسن اور لقب سلطان الہند تھا۔ عوام الناس میں آپ خواجہ غریب نواز کے عرف سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی ماہ نور تھا۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب والد محترم کی طرف سے خلیفہ ٔ راشد داماد رسولؐ حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔

والد محترم حضرت امام حسینؓ کی نسل سے اور والدہ محترمہ حضرت امام حسنؓ کی نسل سے تھیں۔ آپ کا والد محترم کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید نجم الدین بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن سید اویس بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علیؓ

پیدائش

آپ کی پیدائش 14 رجب 536ھ کو ملک فارس کے علاقہ خراسان کے قصبہ سنجر میں ہوئی۔ اسی مناسبت سے آپ کو "پیرِ سنجر" بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ بانگ درا میں علامہ اقبال نے آپ کو "پیرِ سنجر" کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی کے والد محترم تاجر اور بااثر شخص تھے۔ خواجہ صاحب کا بچپن خراسان میں گزرا اور یہیں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد 544ھ میں مزید تعلیم کے لیے آپ کو مدرسہ نیشاپور میں داخل کروادیا گیا۔ جب آپ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی والدہ محترمہ بھی اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔

پیشہ باغبانی

والدین کی وفات کے بعد تعلیمی سلسلہ بحال نہ رہ سکا جس کا آپ کو بہت دکھ تھا۔ والد محترم کے ترکہ میں خواجہ صاحب کو ایک باغ اور ایک پن چکی ملی۔ آپ اپنا زیادہ وقت باغ کی دیکھ بھال میں گزارنے لگے۔

علوم ظاہری کا حصول

وقت گزرتا گیا۔ خواجہ صاحب اپنے باغ کی دیکھ بھال میں مصروف رہے۔ ایک روز ایک مجذوب بزرگ کا وہاں سے گزر ہوا اور آپ سے کچھ کھانے کے لیے طلب کیا۔ آپ نے واما السائل فلا تنھر پر عمل کرتے ہوئے کمال عقیدت سے کچھ خرمے پیش کیے۔ مجذوب کو آپ کی عقیدت اور احسان بہت پسند آیا۔ اس نے چند خرمے اپنا لعاب دہن لگا کر خواجہ صاحب کو کھانے کے لیے واپس دیئے جسے خواجہ صاحب نے قبول کیا اور ان کا کھانا ہی تھا کہ خواجہ صاحب سے علائق دنیا الگ ہو گئے اور قلبی حالت یکسر بدل گئی اور ہر دنیاوی چیز بے حقیقت لگنے لگی۔ آپ نے زادِ راہ جمع کیا اور سمرقند و بخارا کی طرف رختِ سفر باندھا۔

سمرقند میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ حدیث، تفسیر اور فقہ میں طاق ہوئے اور علوم ظاہری سیکھے۔ سمرقند میں مشہور عالم شرف الدینؒ اور پھر بخارا میں شیخ حسام الدینؒ سے علوم دینیہ حاصل کیے۔

(معین الاولیاء فارسی از سید امام الدین حسن صفحہ 3)

علوم باطنی کے لیے سفر عراق

علوم باطنی کے حصول کے لیے خواجہ صاحب نے عراق کے سفر کا ارادہ کیا۔ راستہ میں حضرت عثمان ہارونیؒ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو ان کی صحبت اور پاکیزہ مجالس ایسی پسند آئیں کہ آپ حضرت عثمان ہارونی کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر اکتساب فیض کیا اور بیس سال سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے۔ آپ اپنے شیخ کا بے حد احترام کیا کرتے حتیٰ کہ ان کا سامان بھی خود اٹھاتے۔ آخر کار حضرت عثمان ہارونی نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔ (اخبار الاخیار از شیخ عبد الحق محدث دہلوی صفحہ 55)

تصنیف "انیس الارواح"

اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے 28 روز تک حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے پاس حاضر ہو کر ایک مجموعہ تیار کیا جو انیس الارواح کے نام سے موسوم ہے۔

سفر بغداد اور سید عبد القادر جیلانیؒ سے ملاقات

خرقۂ خلافت کے حصول کے بعد آپ پہلے اپنے قصبہ سنجر تشریف لے گئے پھر اڑھائی ماہ بعد قصبہ جیلان چلے گئے وہاں حضرت محی الدین سید عبد القادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قریباً پانچ ماہ ان کی صحبت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔

(معین الارواح ترجمہ مونس الارواح از شاہزادی جہاں آراء بیگم صفحہ 7)

پھر بغداد جا کر شیخ شہاب الدین سہروردی کے استاد شیخ ضیاء الدین ابولنجیب سہروردی سے بھی ملے۔

محمد یادگار کی انقلابی حالت

بغداد سے خواجہ صاحب ہمدان اور پھر تبریز گئے۔ وہاں کے اولیاء و اصفیاء سے فیض اٹھاتے رہے۔ آپ عزلت نشینی کو ترجیح دیتے تھے اور ہجوم سے کنارہ کش رہتے، بہت کم کھاتے۔ آپ ایک جگہ بہت کم مدت قیام فرماتے۔ اس کے بعد آپ استر آباد پھر ہرات چلے گئے۔ جب ہرات میں بھی مشہور ہو گئے اور لوگوں کا تانتا بندھنا شروع ہو گیا تو آپ سبزوار چلے گئے تو وہاں کا حاکم محمد یادگار بہت شقی القلب، بد دیانت اور ظالم شخص تھا۔ آپ کے ورود مسعود کی خبر پا کر بہت برافروختہ ہوا۔ آپ ایک روز اس کے باغ میں چلے گئے اور وہاں اس سے سامنا ہو گیا۔ جیسے ہی اس کی نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو آپ کے رعب کی وجہ سے اس پر بے اختیار لرزہ طاری ہو گیا اور بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو معافی مانگنے لگا اور توبہ کی۔ پھر خواجہ صاحب کی تلقین و تحریک سے آپ کی بیعت کر لی اور اہل و عیال سے ترک تعلق کر لیا اور اکتساب فیض کیا پھر خواجہ صاحب کے حکم پر حصارر شادمان جا کر تدریس کے کام کے لیے خود کو وقف کر دیا اور وہیں وفات پائی۔

(معین الاولیاء فارسی صفحہ 4)

حج کی ادائیگی

بالآخر خواجہ صاحب مکہ معظمہ پہنچے اور مناسک حج بجالائے۔ پھر زیارت روضۃ النبیؐ کے لیے مدینہ منورہ چلے گئے اور ایک مدت تک مدینہ منورہ میں رہے۔ وہیں خواب میں رسول اللہؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"اے معین الدین! تو ہمارے دین کا معین ہے۔ ہندوستان کی ولایت تیرے حوالے ہوئی۔ وہاں جاکر اجمیر میں اقامت کر۔ اس سرزمین میں کفر کا بہت غلبہ ہے۔ تیرے جانے سے اسلام کا غلبہ ہوگا۔"

اس خواب کی بناء پر آپ نے مدینہ منورہ سے دعوتِ دین کے لیے ہندوستان کے شہر اجمیر جانے کا قصد کیا۔

(معین الارواح ترجمہ مونس الارواح از شاہزادی جہاں آراء بیگم صفحہ 7)

خواجہ صاحب نے اپنی زندگی میں متعدد حج کیے۔ اجمیر میں قیام کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں حج کے لیے جایا کرتے تھے۔

مدینہ سے اجمیر تک

پس خواجہ صاحب بلخ گئے۔ بلخ سے لاہور کا رخ کیا اور وہاں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے۔ پھر وہاں سے ملتان چلے گئے اور ہندوستان کی زبان میں مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی چلے گئے۔ دہلی میں اپنے مرید حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دعوت دین کی ذمہ داری سونپی اور باوجود اس کے کہ لاہور اور دہلی میں آپ کے بہت سے معاون و مددگار تھے، آپ نے اپنا مرکز اجمیر چنا۔

دانشمندانہ فیصلہ

خواجہ صاحب کے زمانہ میں برصغیر طوائف الملوکی کی حالت میں تھا۔ ہندو راجاؤں نے اپنی الگ الگ ریاست بنائی ہوئی تھی۔ مسلمان انتشار و پسماندگی کا شکار اور دین و دنیا سے بے خبر تھے۔ ہندوستان بت پرستی کی آماجگاہ تھا۔ ان حالات میں دعوتِ دین کی اشاعت کے لیے اجمیر کا انتخاب آپ کے صائب الرائے ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ اجمیر سے تمام برصغیر سے رابطہ رکھنا آسان تھا۔

اجمیر میں ورود مسعود

خواجہ صاحب اجمیر میں داخل ہوئے تو ایک درخت کے سائے میں قیام کرنا چاہا تو ایک شخص نے آپ کو وہاں سے اٹھا دیا کہ یہ جگہ مختص ہے۔ پھر آپ ایک تالاب ''آنا ساگر'' نامی کے کنارے فروکش ہوئے۔ اس وقت بہت سے بت خانے اس ساگر کے کنارے موجود تھے اوران پر بہت سے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ گھنٹیوں کا شور صبح وشام سنائی دیتا تھا۔ مذہبی تعصب کی بناء پر برہمنوں نے خواجہ صاحب کو تالاب سے غسل و وضو کرنے سے منع کر دیا۔ خواجہ صاحب نے اپنے خادم کو تالاب سے ایک چھاگل میں پانی لانے کو کہا۔ جب خادم نے پانی بھرا تو تالاب کا تمام پانی خشک ہو گیا بلکہ دیگر ندی نالوں سے بھی پانی معدوم ہو گیا۔ جس سے تمام انسان وحیوان متاثر ہوئے۔ یہ دیکھ کر شہر کے بااثر سرکردہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی مانگی۔ ان میں سے ایک بااثر نے اسلام بھی قبول کیا۔

(معین الارواح ترجمہ مونس الارواح صفحہ 8)

حاکم اجمیر رائے پتھورا کو اسلام کی دعوت اور آپؒ کی مخالفت

حاکم اجمیر پرتھوی راج چوہان جو رائے پتھورا کے نام سے مشہور تھا اس کی والدہ علم نجوم کی ماہر تھی۔ اس نے خواجہ صاحب کی اجمیر میں آمد سے بارہ سال قبل اپنے بیٹے پتھورا حاکم اجمیر کو بتایا کہ فلاں حلیہ کا مرد حق تمہاری حکومت کی بربادی کا باعث بنے گا۔ رائے پتھورا نے وہ حلیہ لکھ کر جگہ جگہ بھیجا کہ جہاں بھی ملے اسے گرفتار کر لانا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ لیکن جب تالاب والا واقعہ رونما ہوا تو اس کی خبر پتھورا اور اس کی ماں تک پہنچ گئی اور ماں جان گئی کہ یہ وہی شخص ہے۔ اس نے اپنے بیٹے حاکم اجمیر کو کہا کہ اس شخص سے مت الجھنا بلکہ اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا۔

غرضیکہ رائے پتھورا کو خواجہ صاحب کی آمد ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے ایک جادوگر کو بھی آپ کے مقابلہ کے لیے بھجوایا لیکن وہ جادوگر سخت ناکام و نامراد رہا اور کمالات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ رائے پتھورا نے اور بھی بہت سے ہتھکنڈے آزمائے اور سازشیں کیں لیکن وہ ہر قدم پر ناکام رہا۔ رعب کی وجہ سے آپ کو تو نقصان نہ پہنچا سکا لیکن آپ کے مریدوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا۔

آپؒ نے رائے پتھورا کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے اسے قبول نہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے کسی مرید کے ساتھ ناانصافی ہوئی تو آپ نے پرتھوی راج رائے پتھورا کے پاس اس مرید کی سفارش کی ۔ جس پر پرتھوی راج نے بہت نازیبا الفاظ استعمال کیے اور کہا کہ وہ آپؒ کو اجمیر سے نکلوادے گا۔ جب آپ کو اس بات کی اطلاع پہنچی تو آپؒ نے فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کرکے مسلمانوں کو دے دیا۔ پس آپ کی پیشگوئی پوری ہوئی اور 588ھ میں شہاب الدین غوری نے دوبارہ حملہ کیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور پرتھوی راج المعروف رائے پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا۔
(معین الارواح ترجمہ مونس الارواح صفحہ 11)

سلطان شمس الدین التمش کے متعلق پیشگوئی

ایک روز خواجہ معین الدین چشتی شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک وہاں شمس الدین التمش اپنی صغر سنی میں تیر کمان ہاتھ میں لیے وہاں سے گزرے تو خواجہ صاحب کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا کہ یہ بچہ دہلی کا بادشاہ ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
(معین الارواح ترجمہ مونس الارواح صفحہ 20)

شادیاں اور اولاد

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی اجمیر کے داروغہ سید وجیہہ الدین محمد مشہدی کی بیٹی بی بی عصمت سے ہوئی۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ سیّد صاحب موصوف اپنی بیٹی کا نکاح کسی بزرگ زادے سے کرنا چاہتے تھے مگر انہیں کوئی بھی اپنی بیٹی کے لائق نہیں مل رہا تھا۔ اسی فکر میں تھے کہ ایک رات حضرت امام جعفر صادقؒ سید صاحب کی خواب میں آئے اور فرمایا کہ ”اے فرزند جگر پیوند حضرت نبوت پناہ ﷺ کا ایما اس طرح پر ہے کہ تو اس دختر نیک اختر کو ہمارے نور نظر معین الدین حسن سنجری کے عقد نکاح میں لائے۔“

سید وجیہہ الدین نے یہ واقعہ خواجۂ دین پر ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میری عمر آخر ہوئی ہے مگر جبکہ حضرت سید امام علیہ و آلہ الصلوۃ والسلام کا یہی اشارہ ہے، میں انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ اس نکاح کے بعد سات سال تک زندہ رہے۔ (معین الاولیاء فارسی از سید امام الدین صفحہ 42)

دوسری شادی بی بی امتہ اللہ سے ہوئی۔ جس کا واقعہ یوں درج ہے کہ

”خواجہ صاحب نے ایک شب حضرت سرورعالم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرمایا کہ اے نور نظر! تو نے ہماری سنتوں سے ایک سنت ترک کی ہے۔ اتفاقاً حاکم قلعہ بٹھلی ملک خطاب نے ایک راجہ کی قیدی بیٹی آپ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ قبول اسلام کے بعد اس کا نام امۃ اللہ رکھا۔ اور اس سے آپ نے نکاح کیا۔

ان دونوں بیویوں سے آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ تین بیٹوں کے نام شیخ ابوسعید، شیخ فخر الدین اور شیخ حسام الدین ہیں۔ جن کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ تینوں بی بی عصمت سے ہی تھے یا صرف شیخ ابوسعید بی بی عصمت سے اور شیخ فخر الدین اور شیخ حسام الدین امتہ اللہ سے اور بیٹی کا نام بی بی حافظ جمال تھا جو امتہ اللہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(معین الارواح ترجمہ مونس الارواح از شاہزادی جہاں آراء بیگم صفحہ 25)

وفات

آپ کی وفات بروز دوشنبہ 6 رجب 633ھ کو 97 برس کی عمر میں ہوئی۔ مشہور ہے کہ خواجہ اجمیریؒ کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا کہ ” ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ “(یعنی اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا)۔

(اخبار الاخیار اردو از مولوی عبد الحق محدث دہلوی صفحہ 60)

آپ اجمیر میں ہی اپنی اقامت گاہ میں دفن ہوئے۔

اخلاق فاضلہ

آپ بہت سے اخلاق فاضلہ سے متصف تھے۔ آپ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ہر وقت باوضو رہتے۔ روزانہ نوافل ادا کرتے۔ اور درود شریف کا ورد فرماتے رہتے۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

خوبرویاں چو پردہ برگیرند
عاشقاں پیش شاں چنیں میرند

یہ مصرع اکثر زبان پر ہوتا:

صحبت نیکاں بہ از طاعت بود

تصنیفات

آپ نے متعدد تصنیفات و رسائل تحریر فرمائے جن میں سے چند یہ ہیں: انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارَونی)، گنج اسرار، دلیل العارفین، بحر الحقائق، ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی، اسرارالواصلین (8 خطوط) مکتوبات، رسالہ وجودیہ، کلمات خواجہ معین الدین چشتی، دیوان مُعین الدین چشتی وغیرہ

آپ کے دیوان کا ایک فارسی شعر یہ ہے:

دم بدم روح القدس اندر معینی می دمد من

نمی دانم مگر عیسیٰ ثانی شدم

ترجمہ: ہر دم روح القدس کو معین کے اندر پھونکا جارہاہے، مجھے تو علم نہیں کہ یہ کیوں ہے مگر میں عیسی ثانی ہو گیاہوں۔

(دیوانِ خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز صفحہ 260)

آٹھویں صدی کے مجدد

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

مقبرہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

نام ونسب

آپ کا نام احمد بن علی، کنیت ابو الفضل اور لقب شہاب الدین تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد۔

آپ کے والد محترم کی کنیت ابو الحسن اور لقب نور الدین، آپ کے دادا کی کنیت ابو القاسم اور لقب قطب الدین، پڑدادا کا لقب ناصر الدین اور دادا کے دادا کا لقب جلال الدین تھا۔ آپ کا تعلق فلسطین کے شامی ساحل پر واقع شہر عسقلان کے کنانی قبیلہ سے تھا اس لیے آپ علامہ ابن حجر عسقلانی کہلائے۔

پیدائش

علامہ ابن حجر کے والد محترم بھی ایک فاضل عالم تھے۔ آپ کا ایک بھائی جو علم فقہ پڑھتا تھا اس کی عنفوان شباب میں وفات ہوگئی جس کا آپ کے والد محترم کو بہت گہرا صدمہ ہوا اور وہ شدید غمگین رہتے۔ ایک دن وہ ایک بزرگ شیخ یحی صنافیری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ بیان کیا تو انہوں نے علامہ ابن حجر کے والد محترم کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک جانشین بیٹا عطا فرمائے گا جو لمبی عمر پائے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ شیخ یحییٰ صنافیریؒ نے آپ کے والد محترم کو فرمایا:

"تمہاری نسل سے ایک ایسا عالم ظاہر ہوگا جو زمین کو علم سے بھر دے گا۔ پھر کہا کوئی ولی اللہ اس وقت تک اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا جب تک وہ لوح محفوظ میں جو ہے وہ نہ جان لے (یعنی اللہ تعالیٰ اسے لوح محفوظ کے بارہ میں مطلع نہ کر دے) نیز اسے ولایت دی جائے اور پھر معزول کیا جائے گا اور دنیا اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ کی طرح ہوگی۔"

شیخ صنافیری تو علامہ ابن حجر کی پیدائش سے ایک سال قبل وفات پا گئے لیکن اس پیشگوئی کے بعد 22 شعبان 773 ہجری کو مصر میں دریائے نیل کے کنارے علامہ ابن حجر کی پیدائش ہوئی۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء1 صفحہ 104-105)

اہل علم خاندان

علامہ ابن حجر ایک علم دوست خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے پڑ دادا ناصر الدین ایک فاضل عالم تھے۔ اسی طرح آپ کے دادا بھی علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے والد کے چچا فخر الدین ابن بزار اپنے زمانہ کے معروف فقیہ اور ثغر کے مفتی تھے۔ علامہ ابن حجر کے والد محترم نور الدین فقہ اور عربی ادب کے ماہر تھے۔ آپ کے کئی دیوان تھے جن میں سے ایک دیوان الحرم جو رسول اللہ ﷺ اور مکہ مکرمہ کی مدح میں لکھا، معروف ہے۔ آپ ایک با اخلاق انسان تھے۔ اسی طرح آپ کے ایک بھائی بھی ماہر فقہ اور ایک بہن عالمہ تھیں۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء 1 صفحہ 107)

ایام طفولیت اور ابتدائی تعلیم

علامہ ابن حجر کے والد محترم رجب 777ھ میں جبکہ آپ کی عمر صرف چار سال تھی، وفات پا گئے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی آپ کے عہد طفولیت میں وفات پا گئیں۔ اس طرح آپ نے یتیمی کی حالت میں نشو و نما پائی۔ خواجہ زکی الدین ابو بکر الخروبی آپ کے کفیل مقرر ہوئے۔ آپ پانچ سال کی عمر کے بعد مدرسہ میں داخل ہوئے۔

(المنهل الصافي والمستوفى بعد الوافي جزء 2 صفحہ 17)

علامہ شمس الدین ابن العلاف، شمس الدین اطروش سے آپ نے پڑھنا شروع کیا لیکن حفظ قرآن آپ نے نو سال کی عمر میں مشہور فقیہ اور شارح مختصر التبریزی علامہ صدر الدین محمد السفطی المقری سے کیا۔

سفر مکہ اور حج بیت اللہ

علامہ ابن حجر جب بارہ سال کے ہوئے تو اپنے سرپرست خواجہ زکی الدین ابو بکر الخروبی کے ساتھ مکہ جا کر حج کیا اور وہاں شیخ عفیف الدین عبد اللہ بن محمد بن محمد سے صحیح بخاری پڑھی اور عبور حاصل کیا۔ آپ جس مکان میں بخاری کا درس سنتے تھے وہ باب صفا کے پاس تھا اور اس گھر کی کھڑکی سے مسجد حرام

کا نظارہ ہوتا تھا اور دیکھا جاسکتا تھا کہ کون خانہ کعبہ اور رکن اسود میں بیٹھتا ہے۔ قاری اور مسمع (سننے والا) دونوں اس کھڑکی کے پاس بیٹھتے تھے۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء 1 صفحہ 122)

مصر میں آمد

786ھ میں آپ واپس مصر آگئے اور متعدد علوم کی کتب کو حفظ کیا جن میں العمدۃ، الحاوی الصغیر، مختصر ابن الحاجب الاصلی، الملحۃ للحریری وغیرہ شامل ہیں۔

(البدر الطالع وابن حجر صفحہ 88)

سریع الحفظ

اللہ تعالیٰ نے علامہ ابن حجر کو غیر معمولی قوت حفظ سے نوازا تھا۔ آپ نے سورۃ مریم ایک دن میں حفظ کی۔ کتاب الحاوی الصغیر چند ایام میں حفظ کی۔ اس بارہ میں علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حجر نے پہلے کچھ ایام میں اس کتاب کے صفحات درست کیے دوسری دفعہ اس کتاب کو غور سے پڑھا اور تیسری دفعہ اسے حفظ کر لیا۔ علامہ ابن حجر بچوں کی طرح حفظ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کتاب کی عبارت کا بغور مطالعہ کر کے پھر اس کو حفظ کیا کرتے تھے۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء 1 صفحہ 122)

تحصیل علم اور اساتذہ

علامہ ابن حجر نے علم تجوید قرآن علامہ شہاب احمد خیوطی اور علامہ تنوخی سے حاصل کیا اور کتاب عمدۃ الاحکام للحافظ عبد الغنی بارہ سال کی عمر میں مکہ میں قاضی حافظ جمال الدین سے پڑھی اور اس کی روایات پر تحقیق کی۔ اس طرح آپ اس کتاب کی احادیث پر بحث کرنے والے پہلے عالم بنے۔ علم السنن کی تحصیل علامہ سلیمان بن عبد الناصر بشیطی سے کی۔ علامہ شمس الدین محمد بن علی سے فقہ، اصول فقہ، عربی، حساب وغیرہ کا درس لیا۔ علامہ نجم الدین ابو محمد کی مسند سنی اور علامہ حافظ جمال الدین ابو حامد سے صحیح بخاری پڑھی۔ 792ھ میں علامہ ابن حجر نے فنون الادب سیکھے اور اپنے ہم عصروں میں ممتاز

ہوئے۔ آپ نعتیہ اشعار کہا کرتے تھے اور اپنے والد محترم کی طرح مکہ و مدینہ اور رسول اللہ ﷺ کی مدح میں شعر لکھتے تھے۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء1 صفحہ 126)

تحصیل علوم حدیث

793ھ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل میں علم حدیث کے حصول کی محبت ڈال دی گئی اور آپ نے اپنی پوری توجہ اس طرف کر دی۔ اس زمانہ کے مشہور عالم علامہ زین الدین العراقی سے دس سال زانوائے تلمذتہ کیا اور ان سے " الالفیۃ "اور اس کی شرح پڑھی اور اس پر تحقیق کی۔ اس طرح علامہ ابن حجر محدث بنے۔ اور انہوں نے ہی علامہ ابن حجر کو علوم حدیث کی تدریس کی اجازت دی۔ آپ کی قابلیت کی بناء پر علامہ زین الدین عراقی نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ "جب علامہ زین الدین کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد کون آپ کا جانشین ہو گا؟ تو انہوں نے کہا کہ ابن حجر اس کے بعد میرا بیٹا ابوزرعۃ اور اس کے بعد ہیثمی۔"

(ذیل طبقات الحفاظ للسیوطي صفحہ 251)

تحصیل علم فقہ و علم النحو

علم فقہ آپ نے ابن قطان اور علامہ برہان الدین ابراہیم ابناسی سے سیکھا۔ اسی طرح علامہ سراج الدین ابو حفص بلقینی سے بھی ایک مدت تک فقہی علوم حاصل کیے اور الروضۃ ان سے پڑھی۔ علم فقہ اور علم العربیۃ امام نور الدین علی بن احمد الادمی سے پڑھی۔ علامہ ابن حجر کے فقہ کے پہلے استاد ابن قطان اور ادمی تھے۔ پھر ابناسی اور ابن ملقن ہوئے۔ ان کے بعد بلقینی سے فقہ سیکھی۔ علم النحو ابو الفرج الغزی اور ابو عبد اللہ المرسی وغیرہ سے حاصل کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے 25 سال کی عمر تک متعدد شیوخ سے اتنے علوم حاصل کر لیے جو ان کے ہم عصروں میں سے کسی نے اس عمر میں نہ کیے تھے۔ آپ نے علوم قرآن و تفسیر، فقہ، لغت، ادب، تاریخ، حدیث، نحو اور دیگر علوم نقلیہ و عقلیہ حاصل کیے اور ان علوم کے ماہرین و متخصصین سے انہیں اخذ

کیا۔ علامہ ابن حجر خود فرماتے ہیں کہ میں نے پندرہ ایسے علوم سیکھے ہیں جن کے نام اس دور کے علماء بھی نہیں جانتے تھے۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء 1 صفحہ 140)

مختلف اسفار

علامہ ابن حجر نے تحصیل علم کے لیے متعدد اسفار کیے۔ 793ھ میں قوص کی طرف سفر کیا لیکن وہاں سے علم حدیث کے سلسلہ میں زیادہ استفادہ نہ کرسکے البتہ دیگر کئی علماء سے ملے جن میں قاضی نور الدین وغیرہ شامل ہیں۔

797ھ میں اسکندریہ کی طرف کوچ کیا وہاں علامہ شمس الدین ابن الجزری وغیرہ سے ملاقات کی۔ پھر مصر واپس آ گئے اور 22 شوال 799ھ کو سمندری راستہ سے ارض حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ساحل طور پر علامہ نجم الدین ابو علی محمد سے احادیث اخذ کیں۔ پھر یمن پہنچے اور وہاں علامہ جار اللہ بن صالح شیبانی سے ترمذی کی احادیث پڑھیں۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء 1 صفحہ 145-148)

زبید اور وادی الحصیب میں مشہور لغوی علامہ قاضی مجد الدین ابو طاہر فیروزآبادی سے ملاقات کی اور ان سے متعدد علوم سیکھے۔ علامہ مجد الدین نے آپ کو اپنی نصف ثانی تصنیف " قاموس المحیط " بھی تحفۃً عنایت کی۔ بالآخر 800ھ میں آپ مکہ پہنچے اور حج کا فریضہ ادا کیا۔ اس کے بعد دوبارہ یمن تشریف لے گئے۔ آپ جس کشتی پر سوار تھے وہ پھٹ گئی اور آپ کا تمام مال و متاع اور کتب وغیرہ ڈوب گئیں لیکن آپ نے اتنا علمی سرمایہ کھو جانے پر بھی ہمت نہ ہاری۔ ان غرق شدہ تصانیف میں اطراف المزی، اطراف مسند احمد، اطراف المختارۃ، ترتیب، مسندی الطیالسی و عبد وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن حجر فرمایا کرتے تھے کہ ان کا غرق ہونا بھی اللہ کے حکم سے تھا اور وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں۔

(الجواہر والدرر للسخاوی جزء 1 صفحہ 151)

802ھ میں آپ نے شام کا سفر کیا اور سریاقوس، قطیہ، غزہ، نابلس، رملہ، بیت المقدس، خلیل، صالحیہ، دمشق وغیرہ میں جاکر علوم حدیث حاصل کیے۔ 836ھ میں حلب کا سفر کیا۔ اس دوران آپ نے متعدد علماء وفقہاء سے اکتساب فیض کیا۔

تلامذہ

علامہ ابن حجر کی علمی قابلیت کی بناء پر انہیں علماء نے متفقہ طور پر "حافظ الاسلام" اور "امیر المومنین فی الحدیث" قرار دیا۔ آپ اسماء الرجال اور معرفۃ علل حدیث کے بارہ میں بخوبی علم رکھتے تھے۔

(المنهل الصافي والمستوفى بعد الوافي لابن تغري بردي، جزء2 صفحہ 19)

آپ کی علمی شہرت کی وجہ سے طلباء اُمڈ اُمڈ کر آپ کے پاس آتے تھے کہ آپ کے علم سے فیضیاب ہو سکیں۔ آپ کے شاگرد رشید علامہ سخاوی نے اپنی کتاب الجواہر والدرر میں ان تلامذہ کے نام تحریر فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد 626 سے بھی زائد تھی۔

(الجواہر والدرر جزء3 صفحہ 1064-1179)

یہ طلباء مکی، شیرازی، ہروی، غرناطی، بغدادی، شامی، مری اور مختلف بلاد سے تعلق رکھنے والے تھے اور مختلف فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خود علامہ ابن حجر عسقلانی کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ شافعی المذہب تھے۔

آپ کے معروف شاگردوں میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ابن قاضی شھبۃ، ابن فہد مکی، ابن تغری بردی، محمد الکافیجی حنفی اور علامہ شمس الدین سخاوی وغیرہ

(ابن حجر العسقلاني مصنفاته ودراسة في منهجه وموارده في كتابه الإصابة، جزء1 صفحہ 107-108)

تجدیدی کارنامے واہم خدمات

آٹھویں صدی ہجری میں بادشاہوں اور ان کے احکام اور لوگوں کی حالت دگرگوں تھی اور اکثریت اسلامی تعلیمات سے ہٹ چکی تھی۔ اس پر آشوب زمانہ میں علامہ ابن حجر اصلاح دین کے لیے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ تجدید اسلام کے لیے آپ مخالف اسلام تحریکات کے خلاف کھڑے ہوئے۔ آپ

نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طرف خاص و عام کو توجہ دلائی۔ آپ نے معاشرتی و سیاسی اصلاح کی بھرپور سعی کی۔

(ابن حجر العسقلاني۔ مصنفاته ودراسة في منهجه وموارده في كتابه الإصابة جزء صفحہ 156)

علامہ ابن حجر نے اپنے زندگی میں متعدد اہم خدمات سرانجام دینے کی توفیق پائی جن میں سے چند یہ ہیں تصنیف و کتابت، درس و تدریس، فتاویٰ، خطابات، قضاء وغیرہ

1۔ جہاں تک تصنیف و کتابت کا تعلق ہے تو آپ نے 808ھ میں شیخونیہ میں "امتاع بالاربعین المتباینة بشرط السماع "کتاب کی املاء کی سولہ مجالس سے اس کام کی ابتداء کی اور یہ مجالس املاء 850ھ تک جاری رہیں۔ آپ نے کل 1150 مجالس املاء کروائیں۔

(الجواهر والدرر جزء2 صفحہ 581-584)

2۔ علامہ ابن حجر نے درس و تدریس کے لیے مختلف مقامات مخصوص فرمائے تھے وہاں جاکر آپ طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ درس تفسیر مدرسہ حسینیہ، قبة منصوریہ میں، درس حدیث شیخونیہ، خانقاہ بیبرس، مدرسہ جمالیہ مستجدہ اور جامع ابن طولون میں، درس فقہ شیخونیہ، مدرسہ شرفیہ فخریہ، مؤیدیہ، مدرسہ خروبیہ بدریہ مصر، مدرسہ صالحیہ میں دیا کرتے تھے۔

(ابن حجر مؤرخا لمحمد کمال الدین عزالدین صفحہ 58-62)

3۔ علامہ ابن حجر 811ھ میں افتاء دارالعدل کے نگران مقرر ہوئے اور تاوفات آپ اس عہدہ پر قائم رہے۔ آپ ہر روز تیس سے زائد فتاویٰ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے اس قدر مسائل دریافت کیے جاتے تھے کہ آپ سواری پر بیٹھے ہوئے بھی سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے۔

4۔ جہاں تک خطابات کا تعلق ہے تو آپ 819ھ میں جامع الازھر میں ابن رزین کی جگہ خطیب مقرر ہوئے۔ پھر جامع عمرو بن العاص میں 838ھ میں بھی خطیب مقرر ہوئے۔ اسی طرح آپ نے جامع قلعة بالسلطان اور جامع اموی دمشق میں بھی خطابات فرمائے۔ آپ کا خطاب بہت دیرپا مؤثر اور دلوں کو گرما دینے والا ہوتا تھا۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ "آپ کا خطاب دل کو جالگتا تھا اور جب آپ منبر پر

ہوتے تھے تو آپ کے نور اور رعب میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ میں ان کا وصف بیان کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا میں جب بھی ان کی طرف دوران خطاب منبر پر دیکھتا تو بے اختیار آنسو نکل جاتے۔"

(الجواھر والدرر جزء2 صفحہ 605-609، 617)

عہدۂ قضاء

5۔ علامہ ابن حجر کو صدی کے اختتام سے قبل سترہ سال کی قاضی کے عہدہ کی پیشکش ہوئی جو کہ آپ نے مسترد کر دی کیونکہ آپ نے حدیث کے بارہ میں ابھی زیادہ علم حاصل نہ کیا تھا۔ اس کے بعد پھر الملک المؤید نے آپ کو شام میں قاضی کے عہدہ کی دوبارہ پیشکش کی۔ آپ نے پھر انکار کر دیا اور اسی پر مصر رہے۔

(لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ لابن فهد المكي جزء1 صفحہ 212)

پھر قضاء سے متعلق اہم معاملات میں آپ کی رہنمائی لی جاتی اور ان امور میں آپ کو شامل کیا جاتا نیز اس شعبہ سے متعلق شخصیات اور لوگوں کے اصرار پر آپ نے نائب قاضی کا عہدہ قبول کیا اور 27 محرم 827ھ کو آپ نے یہ عہدہ سنبھالا اور الملک الاشرف برسبای نے آپ کو یہ عہدہ سونپا۔

(المنهل الصافي والمستوفى بعد الوافي لابن تغري بردي جزء2 صفحہ 20)

عہدہ قضاء سے دستبرداری

علامہ ابن حجر عفت و پاکدامنی کے پیکر تھے اور تواضع و انکساری کے مرقع تھے۔ چھوٹے کا بڑے کی نسبت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ آپ اپنے ارادہ کے پکے اور غریبوں اور طلباء کے محسن تھے اور عدل و انصاف کو قائم کرنے والے اور مظلوموں کے حامی تھے جو کہ ایک مجدد اسلام کا خاصہ ہے لیکن اس زمانہ میں بغض و عناد اور ایک دوسرے سے مقابلہ بازی اور عدم انصاف کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اس عہدہ پر انصاف سے کام کرنے میں رکاوٹ محسوس کی۔

(الجواھر والدرر جزء2 صفحہ 620)

چنانچہ آپ نے ذی قعدہ 827ھ میں خود کو اس عہدہ سے الگ کر لیا۔ ابن فہد مکی اس پر کہتے ہیں کہ "اگر علامہ ابن حجر اس عہدہ پر قائم رہتے تو ان کے لیے دینی و دنیاوی لحاظ سے بہت بہتر ہوتا۔"

(لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ، جزء1 صفحہ 212)

اسی طرح علامہ ابن حجر متعدد دفعہ قاضی مقرر ہوئے لیکن پھر اس منصب سے ہٹا دیئے گئے۔ پھر قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مقرر ہوئے اور اس سے بھی متعدد دفعہ معزول اور مقرر ہوئے جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال قاضی القضاۃ کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

(المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي جزء2 صفحہ22)

اسی طرح عہدۂ مشیخت، نگرانی کتب خانہ وغیرہ کے فرائض آپ کے سپرد ہوئے۔ آپ نے ان تمام فرائض کو ادا کرتے ہوئے لوگوں کو اصلاح نفس کی طرف بلایا اور آپ نے اپنے دائرہ اختیار کے ذریعہ تجدید اسلام کے لیے ہر ممکن سعی کی۔

آب زمزم پینا

شیخ نور الدین ابن ابی الیمن بیان کرتے ہیں کہ 851ھ میں علامہ ابن حجر نے انہیں بتایا کہ ”میں نے تین دفعہ آب زمزم پیا ایک دفعہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے علامہ ذہبی جیسا مقام و مرتبہ عطا فرمادے چنانچہ وہ مقام میں نے الحمدللہ پالیا۔ پھر دوسری دفعہ اس لیے پیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ سراج بلقینی کی طرح فتاویٰ کے بارہ میں کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ علامہ سراج جب کتاب لکھنا شروع کرتے تو ان کا قلم کبھی واپس نہیں پلٹتا تھا یعنی کوئی غلطی یا سہو کتابت نہیں ہوتی تھی اور وہ درست لکھتے جاتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی میرے لیے آسان کر دیا اور ”فتاویٰ شہر“ ضبط تحریر میں لایا جو ایک جلد میں ہے اور اس کا نام میں نے ”عجب الدہر“ رکھا۔ اور تیسری حاجت کا علامہ ابن حجر نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ علماء نے اس بارہ میں بہت پوچھا لیکن جواب نہ پایا۔ اس تیسری حاجت کے بارہ میں مختلف علماء کی مختلف آراء ہیں۔

(الجواہر والدرر جزء1 صفحہ166)

تصنیفات

علامہ ابن حجر نے تصنیف کے کام کی ابتداء 796ھ سے کیا اور آپ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں کتب تصانیف فرمائیں جو عالم اسلام میں کافی متداول ہوئیں اور اس زمانہ کے بادشاہ آپ کی کتب بطور تحائف ایک دوسرے کو بھجوایا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر خود لکھتے ہیں کہ ”833ھ میں شاہ رخ

بن تیمور مشرقی بادشاہ نے فتح الباری شرح بخاری کی کتاب العلم یہاں کے بادشاہ سے بطور ہدیہ منگوائی کتاب کا اول حصہ تین جلدوں میں تیار کیا گیا اور انہیں بھجوایا گیا۔ پھر 839ھ میں دوبارہ مکمل کتاب کا مطالبہ کیا گیا۔"

(انباء الغمر بابناء العمر جزء 3 صفحہ 434)

آپ کی کتب میں سے چند اہم یہ ہیں:

تعليق التعليق، فتح البارى، فوائد الاحتفال فى بيان احوال الرجال، التشويق إلى وصل التعليق، التوفيق، تهذيب التهذيب، تقريب التهذيب، لسان الميزان، الإصابة فى الصحابة، نكت ابن الصلاح، أسباب النزول، تعجيل المنفعة برحاب الاربعة، المدرج، المقترب فى المضطرب، اتحاف المهرة، طبقات الحفاظ، الدرر الكامنة فى المائة الثامنة، انباء الغمر بانباء العمر، قضاة مصر، اكاستدراك عليه، كتاب الاحكام لبيان ما فى القرآن من الابهام، كتاب الزهر، الافتنان فى رواية القرآن، المقترب فى بيان المضطرب، توالى التانيس، الاتقان فى فضائل القرآن، كتاب الانوار بخصائص المختار، بلوغ المرام بادلة الاحكام، بذل الماعون بفضل الطاعون، والمنحة فيما علق الشافعى به القول عَلَى الصحة، والاجوبة المشرقة عن الاسئلة المفرقة، ومنسك الحج، وشرح مناسك المنهاج كذلك، وتصحيح الروضة، ونخبة الفكر فى مصطلح أهل الاثر، والانتفاع بترتيب الدارقطنى عَلَى الانواع، مختصر البداية والنهاية لابن كثير، تخريج الاربعين النووية بالاسانيد العلية، الاربعين المتباينة وغيره

(ذيل طبقات الحفاظ للسيوطي صفحہ 251، المنهل الصافي والمستوفى بعد الوافي جزء 2 صفحہ 27)

مرض اور وفات

علامہ ابن حجر ذیقعدہ 852ھ میں معدہ کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ اس کے باوجود آپ مجالس املاء میں شرکت کرتے اور لوگوں کو احکام دین سکھاتے۔ اسی حالت میں نماز جمعہ ادا کی۔ پھر عید الاضحیٰ کے

لیے بھی مستعد رہے۔ پھر آپ اپنی حلبیہ اہلیہ کے گھر چلے گئے۔ آپ کو قرب وقت وفات کا احساس ہو گیا تھا اور خوابوں کی بناء پر آپ کو اس کا اشارہ مل چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان ایام میں ایک شعر کہا

ثاءُ الثلاثین قد اوهت قُوی بدنی

فکیف حالی فی ثاء الثمانینا

اور آپ کہا کرتے تھے اللهُمَّ حرمتنی عافیتك فلا تحرمنی عفوك۔

(الجواهر والدرر صفحہ 1187)

آپ کا مرض بڑھتا گیا اور ہر خاص و عام، چھوٹا بڑا، امراء و قاضی، علماء و طلباء وغیرہ سب آپ کی عیادت کو دوڑے چلے آئے۔

آپ کی وفات ہفتہ کی شب 28 ذوالحجہ 852ھ بعد عشاء ہوئی۔ ہفتہ کے روز شیخ زین الدین بو تیجی نے غسل دیا اور آپ کے بیٹے نے تجہیز و تکفین کی۔ آپ کے جنازہ میں سلطان سمیت علماء و فضلاء و طلباء و خلق کثیر نے شرکت کی۔ شہاب منصوری بیان کرتے ہیں کہ وہ علامہ ابن حجر کے جنازہ میں شامل تھے جب نماز کے لیے صف بندی کی تو بارش شروع ہو گئی تو میں نے اس وقت یہ شعر کہا

قد بکت السحب علی قاضی القضاة بالمطر

و انهدم الرکن الذی کان مشیدا من حجر

(ذیل طبقات الحفاظ للسیوطي صفحہ 252)

ترجمہ: آسمان قاضی القضاۃ کی وفات پر آنسو بہا رہا ہے اور جو ستون پتھروں سے مضبوط بنا ہوا تھا وہ گر گیا۔

ازواج و اولاد

علامہ ابن حجر نے تین شادیاں کیں۔ ان کی پہلی شادی انّس خاتون سے ہوئی۔ پھر دوسری شادی ابو بکر امشطی کی بیوہ سے کی۔ تیسری شادی لیلیٰ بنت محمود بن طوغان الحلبیہ سے 836ھ میں ہوئی۔ اور ایک ام ولد خاص ترک تھی۔

آپ کے کل پانچ بچے ہوئے۔ جن میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ چاروں بیٹیاں آپ کی پہلی زوجہ انّس خاتون سے ہوئیں۔ اور بیٹا بیوی کی کنیز خاص ترک سے ہوا جس کا نام ابو المعالی بدر الدین محمد تھا۔
(الجواھر والدرر، جزء3 صفحہ 1208-1228)

اخلاق کریمانہ

علامہ ابن حجر جہاں غیر معمولی علمی خصوصیات کے حامل تھے وہاں اخلاق کریمانہ سے بھی متصف تھے۔ آپ ایک عالم با عمل کے لیے بطور نمونہ ہیں۔ ابن تغری بیان کرتے ہیں کہ

"علامہ ابن حجر پُر نور چہرہ، نورانی داڑھی رکھتے تھے۔ آپ ایک باوقار اور بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ عقل و حکمت، سکینت و حلم، سیاست و معاشرت کا علم رکھنے والے اور اس دور کے لوگوں کے مدار المہام تھے۔ جو آپ کے بارہ میں برا بھلا کہتے وہ آپ قبول کرتے بلکہ اس کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کا سلوک فرماتے۔"

(المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي، جزء2 صفحہ 23)

حافظ تقی الدین کہتے ہیں

"آپ امام، علامہ، حافظ، مضبوط دین والے، اچھے اخلاق والے، عمدہ گفتگو کرنے والے اور بہترین تعبیر کرنے والے اور عدیم النظیر تھے۔ آنکھوں نے آپ جیسا کوئی اور نہیں دیکھا نہ ہی انہوں نے کسی اور کو اپنے جیسا پایا۔"

(فوائد الجامعة صفحہ 439)

تقویٰ شعاری

علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ

"علامہ حجر بہت متقی انسان تھے۔ ایک دفعہ ان کے اہل خانہ نے انہیں کھانا پیش کیا جو آپ نے کھا کر بہت پسند فرمایا۔ سارا کھانا کھانے سے قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالا کہ اس بارہ میں پوچھا جائے کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ گھر والوں نے ایسی مشتبہ جہت کا بتایا کہ جس سے کھانا آپ ناپسند کرتے تھے

لیکن انہوں نے مختلف عذر بیان کیے کہ آپ کھالیں یہ آپ کے لیے جائز ہے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں وہی کروں گا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کیا اور قے کر کے سارا کھانا باہر نکال دیا۔"

(الجواہر والدرر جزء3 صفحہ 980)

حلیم الطبع

آپ حلم و درگزر کے پیکر تھے۔ ایک دفعہ بعض شعراء نے آپ کی ہجو کی اور اس میں بہت مبالغہ کیا۔ آپ کے محبین اور شاگرد اسے برداشت نہ کر سکے اور وہ ایک شاعر کو پکڑ لائے کہ اس سے مواخذہ کیا جائے۔ علامہ ابن حجر وہاں پہنچے تو اس بات کو سخت ناپسند کیا اور اسے عزت سے رخصت کرنے کو کہا بلکہ اسے انعام و اکرام دے کر روانہ کیا۔

(الجواہر والدرر جزء3 صفحہ 992)

آپ تواضع اور عجز و انکسار کی اپنی مثال آپ تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ جیسا کوئی اور بھی ہے؟ تو آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ (النجم:33) پس اپنے آپ کو (یونہی) پاک نہ ٹھہرایا کرو۔

بعض لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ زیادہ حافظ ہیں یا علامہ ذہبی اس پر آپ خاموش رہے جو کہ آپ کے تواضع کی وجہ سے تھا۔

(الجواہر والدرر جزء1 صفحہ 166)

علامہ ابن حجر نہ کبھی اپنی علمیت پر فخر نہیں کیا اور نہ تکبر کا مظاہرہ کیا۔ ایک دفعہ ایک شاگرد نے آپ کو کہا کہ اے استاذ! آپ نے فتح الباری لکھ کر امام بخاری پر احسان کیا ہے تو آپ نے اسے کہا کہ تو نے یہ کہہ میری کمر توڑ ڈالی ہے۔

(الجواہر والدرر جزء3 صفحہ 1023-1024)

زہد و عبادت

علامہ ابن حجر عبادت گزار انسان تھے۔ نماز تہجد کو باقاعدگی سے ادا کرتے اور سفر و حضر میں قیام اللیل کرتے۔ بیماری کے آخری ایام میں بھی بیٹے کے ساتھ ٹیک لگا کر قیام اللیل کرتے رہے۔ آپ

عام دنوں میں ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھتے۔ ماہ رمضان میں باقاعدگی سے روزے رکھتے۔ قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرتے۔ عیادت مریضان اور جنازوں میں لازماً شرکت کرتے۔ سنت رسول ﷺ کی بہت پیروی کرتے۔ آپ تحریر و تقریر سے لوگوں کو سنت رسول کی پیروی کی طرف بلاتے اور اس کی مخالفت سے روکتے تھے۔

نویں صدی کے مجدد

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شبیہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ

مقبرہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ

نام ونسب

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا نام عبد الرحمٰن، کنیت ابو الفضل اور لقب جلال الدین ہے۔ آپ کا ایک اور لقب "ابن الکتب" بھی مشہور ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ آپ کے والد محترم نے آپ کی والدہ محترمہ سے کوئی کتاب طلب کی جس کے لیے آپ کی والدہ کتب خانے گئیں اور وہاں اچانک انہیں دردِ زہ شروع ہو گئی اور وہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ اسی وجہ سے "ابن الکتب" یعنی کتابوں کا بیٹا بھی آپ کی کنیت ہو گئی۔

(النور السافر جزء 1 صفحہ 51)

آپ کا نسب نامہ یہ ہے: عبد الرحمٰن بن کمال الدین ابی بکر بن محمد بن سابق الدین ابی بکر بن فخر الدین عثمان بن ناظر الدین محمد بن سیف الدین خضر بن نجم الدین ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن شیخ ہمام الدین الھمام الخضیری الاسیوطی۔

آپ کے جدّ اعلیٰ ہمام الدین صوفی بزرگ اور آپ کے والد محترم ایک عالم اور شافعی فقیہ تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ایک ترکی خاتون تھیں۔

(مقدمہ ذیل الطبقات جزء 1 صفحہ 223)

سیوطی کی وجہ تسمیہ

مصر میں دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع شہر اسیوط میں ولادت کی وجہ سے آپ سیوطی کہلائے۔ آپ کے آباء واجداد میں سے کسی نے وہاں ایک مدرسہ بنایا تھا اور اسے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔

ولادت باسعادت

علامہ سیوطی کی ولادت یکم رجب 849ھ بروز اتوار بعد نماز مغرب اسیوط میں ہوئی۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

”میری پیدائش اوائل ماہ رجب 849ھ اتوار کی شام بعد مغرب ہوئی۔ میرے والد محترم کی زندگی میں ہی مجھے شیخ محمد مجذوب کے پاس لے جایا گیا جو کبار اولیاء اللہ میں سے تھے اور مشہد نفیسی کے پڑوس میں رہتے تھے تو انہوں نے مجھے برکت کی دعا دی۔“

(حسن المحاضرۃ جزء 1 صفحہ 336)

ابتدائی تعلیم وتربیت

علامہ سیوطی کی نشوونما ایک دینی و علمی ماحول میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم آپ کو بہت چھوٹی عمر سے ہی دینی مجالس میں لے جایا کرتے تھے۔ آپ تین سال کے تھے جب علامہ ابن حجر عسقلانی کی مجلس میں آپ کو ساتھ لے گئے۔ لیکن آپ ابھی پانچ سال اور سات ماہ کے ہی ہوئے تو والد محترم کی وفات ہوگئی۔ وفات سے قبل انہوں نے آپ کو شہاب بن طباخ اور کمال الدین ابن ہمام کی کفالت میں دے دیا۔ چنانچہ ان کی سرپرستی میں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ابن ہمام نے آپ کو شیخونیہ میں داخل کروادیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا خاص فضل فرمایا اور آپ کو غیر معمولی ذہانت اور فہم وفراست عطا کی اور علوم کی تحصیل کو آپ پر آسان فرمادیا۔ چنانچہ قریباً آٹھ سال کی عمر میں ہی آپ نے قرآن کریم حفظ کرلیا پھر مختلف معروف کتب کو یاد کیا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

”میری نشوونما یتیمی کی حالت میں ہوئی۔ قریباً آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ پھر ”العمدۃ“، ”منہاج الفقہ“، ”الاصول“ اور ”الفیۃ ابن مالک“ کو یاد کرلیا۔“

(حسن المحاضرۃ جزء 1 صفحہ 336)

تحصیل علم اور اساتذہ

علامہ سیوطی نے باوجود یتیمی کے اپنے زمانہ کے کبار علماء سے علم حاصل کرنے کی توفیق پائی۔ آپ نے 864ھ میں پندرہ سال کی عمر میں باقاعدہ علم حاصل کرنا شروع کیا۔ آپ نے اپنے زمانہ کے ماہر فن علامہ شیخ شہاب الدین الشار مساحی سے علم الفرائض سیکھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

”میں نے شیخ شہاب الدین کی خدمت میں ان کی شرح علی المجموع پڑھ کر سنائی تو انہوں نے مجھے 866ھ میں لغت عربی کی تدریس کی اجازت دی۔ پھر میں نے اسی سال تعوذ اور تسمیہ کی شرح تحریر کی اور شیخ الاسلام علم الدین بلقینی کو بغرض رہنمائی پیش کی جس پر انہوں نے تقریظ لکھی۔“

(حسن المحاضرۃ جزء 1 صفحہ 336)

آپ شیخ الاسلام علم الدین بلقینی کی وفات تک ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعدہ ان کے بیٹے سے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور متعدد مشہور کتب کے متعلقہ اہم حصے انہیں سنائے جس کے بعد انہوں نے علامہ سیوطی کو تدریس اور فتویٰ کی اجازت 876ھ میں دی جبکہ آپ کی عمر ستائیس سال تھی۔

(حسن المحاضرۃ جزء 1 صفحہ 337)

878ھ میں جب شیخ الاسلام علم الدین کے بیٹے بھی وفات پا گئے تو علامہ سیوطی نے شیخ الاسلام شرف الدین مناوی کی شاگردی اختیار کی۔

علوم حدیث اور علوم عربیہ آپ نے علامہ تقی الدین شبلی حنفی سے سیکھے اور چار سال تک ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ انہوں نے آپ کی کتب شرح الفیہ ابن مالک اور جمع الجوامع پر تقریظ یعنی دیباچہ لکھا۔

امام سیوطی نے علامہ تقی الدین کی وفات کے بعد علامہ محی الدین کافیجی کے پاس چودہ سال رہ کر متعدد علوم حاصل کیے جن میں علم تفسیر، علم الاصول، علم العربیۃ، علم المعانی وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے آپ کو سند اجازت سے بھی نوازا۔ اس کے بعد شیخ سیف الدین حنفی سے کشاف، توضیح، تلخیص المفتاح وغیرہ کے دروس لیے۔

آپ نے فقہ ونحو علماء کی ایک جماعت سے سیکھا۔ غرضیکہ آپ نے اپنے زمانہ کے چوٹی کے علماء وفضلاء سے اکتساب علم کیا۔ آپ نے جن اساتذہ سے علوم کا سماع کیا یا ان کے سامنے بیٹھ کر کتابوں کی قرأت کی، یا جن سے آپ کو محض اجازت حاصل تھی، آپ نے اپنی کتب میں ان کی تعداد ایک سو اٹھانوے لکھی ہے۔

اسفار

علامہ سیوطی نے تحصیل علم کے لیے متعدد اسفار کیے۔ آپ بلاد شام بھی گئے۔ حجاز، یمن، ہندوستان، مغرب، تکرور المحلۃ، الدمیاط اور الفیوم وغیرہ کا طویل سفر اختیار کیا۔ آپ جب بھی حج کرتے تو یہ دعا کرتے کہ میدان فقہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو شیخ سراج الدین بلقینی اور حدیث کے میدان میں حافظ ابن حجر جیسا مقام ومرتبہ عطا فرمادے۔

(حسن المحاضرۃ جزء 1 صفحہ 338)

تلامذہ

علامہ سیوطی نے متعدد درسگاہوں میں اپنے علم کی روشنی سے سینکڑوں طلباء کو منور کیا۔ دور دراز سے متلاشیان علم آپ کے پاس آکر فیضیاب ہوتے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ایک حافظ شمس الدین محمد بن علی داؤد مصری شافعی ہیں۔

فتویٰ

آپ نے 871ھ میں 22 سال کی عمر میں فتویٰ دینا شروع کیا۔ آپ نئے پیش آمدہ مسائل میں شافعی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اہم خدمات

علامہ سیوطی 872ھ میں شیخونیہ میں فقہ کے مدرس مقرر ہوئے پھر جامع ابن طولون میں کچھ دیر املاء حدیث کروائی۔ پھر آپ کو جلال بکری کے بعد بیبرس کے مشیخۃ الحدیث کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ آپ نے بڑی محنت اور تندہی سے وہاں اس ذِمہ داری کو ادا کیا۔ مخالفین کو یہ بات ہضم نہ ہوئی اور جوڑ توڑ شروع کردی۔ آپ کے خلاف اندرونی تانے بانے اور حسد و بغض کی وجہ سے سلطان الملک العادل طومنبای اول نے آپ کو رجب 906ھ کو اس عہدے سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد آپ پھر اپنے روضۃ المقیاس میں گوشہ نشین ہوگئے۔ 909ھ میں امراء و حکام نے بہت اصرار کیا کہ آپ بیبرس کی درسگاہ کو دوبارہ سنبھالیں لیکن آپ نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور اپنی گوشہ نشینی میں ہی رہے۔

اعیان حکومت اور امراء آپ کے پاس تشریف لاتے اور آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے لیکن آپ انہیں قبول نہ کرتے۔ سلطان الملک الاشرف نے ایک دفعہ آپ کو ایک ہزار دینار اور ایک مینڈھا بھیجا۔ آپ نے دینار تو واپس کر دیئے لیکن مینڈھا رکھ لیا۔ آپ کو سلطان نے متعدد بار بلا بھیجا لیکن آپ کبھی محل میں نہ گئے۔

(مقدمہ ذیل الطبقات جزء1 صفحہ 224)

902ھ میں آپ کو خلیفہ متوکل کی طرف سے قاضی القضاۃ کے عہدہ کی بھی پیشکش ہوئی۔

تصنیفات

علامہ سیوطی نے تصنیف کے کام کا آغاز 866ھ سے کیا اور 872ھ میں حدیث املاء کروانی شروع کی۔ علامہ سیوطی نے درس و تدریس چھوڑ کر جب گوشہ نشینی اختیار کی تو دیگر بزرگان کی طرف ذکر و اذکار اور وظائف وغیرہ میں ہی مصروف نہ رہے بلکہ آپ نے تصنیفی کام کی طرف توجہ دی اور ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور علمائے اسلام کو متعدد شاہکار تصانیف سے مستفیض کیا اور یوں آپ نے قلم کا جہاد کیا اور یہ آپ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ تعداد چھ سو تک ہے۔ آپ کے شاگرد داودی کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سو سے زائد ہے۔ آپ نے خود اپنی کتاب "حسن المحاضرۃ" میں اپنی تصانیف کی تعداد تین سو تحریر فرمائی ہے۔ اور ساتھ لکھا ہے کہ "یہ تعداد ان کتب کے علاوہ کی ہے جو میں نے ضائع کر دیں یا جن سے میں نے رجوع کر لیا۔"

(حسن المحاضرۃ جزء1 صفحہ 338)

حسن المحاضرہ آپ نے اپنی وفات سے 12 سال قبل تصنیف فرمائی۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ آپ کی کتب کی تعداد چھ سو سے بھی زائد ہو۔

آپ کی چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں الاتقان فی علوم القرآن، الدر المنثور فی التفسیر الماثور، ترجمان القرآن، لباب النقول فی اسباب النزول، شرح سنن ابن ماجه، الخصائص الکبریٰ،

تقریب التقریب، طبقات الحفاظ، بغیة الوعاة، جمع الجوامع، تاریخ الخلفاء، حسن المحاضرة،

مناقب ابی حنیفه، انباه الاذکیاء فی حیاة الانبیاء وغیره

علمی مقام و مرتبہ

علامہ سیوطی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے اور علوم و فنوں کے بحر بیکراں تھے۔ ایک متبحر عالم اور ماہر فنون تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں متعدد علوم جس محنت اور لگن سے حاصل کیے اس کا ثمر اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں دیا کہ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم تاریخ و سیرت، علم اصول وغیرہ میں آپ کی تصانیف علمائے متاخرین کے لیے ایک رہنما اور مشعل راہ کے طور پر ہیں اور آپ کی ان کتب کو بطور حوالہ اور مراجع و مصادر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

آپ علماء کے سامنے علم و فضل کا مینار ہیں۔ آپ کی تصنیفات آپ کی علمیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ تحدیث نعمت کے طور پر لکھتے ہیں:

''میں چاہوں تو ہر مسئلہ کے متعلق نقلی، عقلی دلائل، اس کے اصول و اعتراضات مع جوابات، اس بارے میں مختلف مذاہب کے اختلاف اور ان کے مابین موازنہ وغیرہ کے بارے میں رسالہ لکھنا چاہوں تو اپنی قوت یا طاقت سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور توفیق سے لکھ سکتا ہوں۔''

(حسن المحاضرۃ جزء 1 صفحہ 339)

آپ بڑے زود نویس، حاضر جواب، متواضع، قناعت پسند اور بڑے عبادت گزار تھے۔

مجتہد مطلق اور مجدد ہونے کا دعویٰ

علامہ سیوطی کی طرف اجتہاد مطلق کا دعویٰ کی نسبت بھی بیان کی جاتی ہے لیکن علامہ سیوطی نے اس کی وضاحت خود کردی کہ اس سے مراد ائمہ اربعہ کی طرح کا اجتہاد مطلق نہیں ہے بلکہ اجتہاد منتسب ہے۔ اگر میں اجتہاد مطلق کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہوتا تو اپنے فتاویٰ شافعی فقہ کے مطابق نہ دیتا۔

(مقدمہ ذیل طبقات الحفاظ جزء 1 صفحہ 224)

علامہ سیوطی نے نویں صدی ہجری کے مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب "رسالہ فیمن یبعث اللہ لھذا الامۃ علی راس کل مائۃ" میں تحریر کیا ہے کہ جس طرح امام غزالی کو اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا اسی طرح مجھے امید ہے کہ میں نویں صدی کا مجدد ہونگا۔

عظیم مفسر و محدث اور مورخ

اللہ تعالیٰ نے علامہ سیوطی کو نہ صرف مجتہدانہ وفقیہانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا بلکہ آپ ایک عظیم مفسر، محدث اور مورخ بھی تھے۔ آپ کا حافظہ اس قدر اچھا تھا کہ آپ کو دولاکھ احادیث یاد تھیں۔ علماء و محدثین کے نزدیک علامہ سخاوی علل حدیث کے ماہر، علامہ ذہبی اسماء الرجال کے ماہر اور علامہ سیوطی حفظ المتون کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

(مقدمۃ ذیل طبقات الحفاظ جزء 1 صفحہ 225)

آپ احادیث کے بارہ میں خواب میں رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لیا کرتے تھے۔

علامہ سیوطی ایک عظیم مفسر بھی تھے۔ آپ نے تفسیر بالماثور تصنیف فرمائی جو الدر المنثور کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں آپ نے صرف روایات کو جمع کیا ہے اپنی رائے وغیرہ کو بالکل بیان نہیں کیا۔ یہ تفسیر چھ جلدوں میں موجود ہے۔ اسی طرح آپ نے قرآن کریم کی آیات کے شان نزول کے بارہ میں ایک کتاب لباب النقول فی اسباب النزول تالیف فرمائی۔

وفات

علامہ سیوطی نے اپنی عمر کے آخری عشروں میں عبادت کے لیے انقطاع الی اللہ اختیار کر لیا۔ آپ روضۃ المقیاس میں گوشہ نشین ہو گئے۔ آخری عمر میں آپ ایک مرض میں مبتلا ہو گئے اور بائیں بازو میں ورم ہو گیا۔ بالآخر 19 جمادی الاولیٰ 911ھ جمعہ کی رات کو قریباً باسٹھ 62 سال کی عمر میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وفات کے وقت آپ نے سورۃ یٰسین کی خود تلاوت کی۔ نماز جنازہ جمعہ کے بعد الروضہ کی "جامع الشیخ احمد اباریقی" میں امام شعرانی نے پڑھائی۔ آپ قاہرہ میں باب القرافہ کے باہر حوش قوصون (کیسون) میں دفن کئے گئے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ حدیث مجدد ین کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الحمد للہ الذی بعث ای ارسل ای اول و علی کل مائۃ سنہ من المولد النبوی او البعثہ او الھجرۃ من ای مجتھداً و احداً او متعدداً

(حجج الکرامہ، صفحہ 140)

تمام تعریف اس ذات کیلئے ہے جس نے مبعوث کیا یعنی بھیجا صدی کے سر پر یعنی شروع میں اور ہر صدی سے مراد حضور کی پیدائش تا بعثت یا ہجرت کے بعد سو سال مراد ہیں اور مَن کا مطلب ہے کہ ایک یا کئی مجتہد آئیں گے۔

دسویں صدی کے مجدد

حضرت علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ

تأليف
الشيخ العلامة اللغوى ملك المحدثين محمد طاهر الصديق
الهندى الفتنى الـگجراتى
المتوفى سنة ٩٨٦ ھ/ ١٥٧٨ م

طبع
بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن الهند
١٣٨٧ ھ/ ١٩٦٧ م
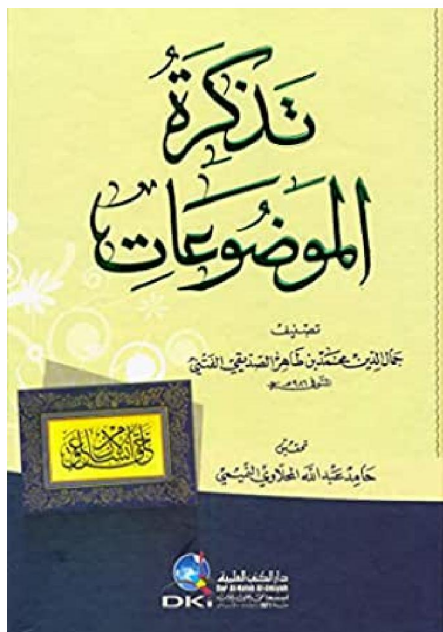
بعض کتب حضرت علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ

حضرت علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ

نام و نسب

آپ کا نام محمد اور لقب ملک المحدثین ہے۔ آپ کے دیگر القابات مجد الدین اور جمال الدین بھی معروف ہیں۔ آپ کے والد محترم کا نام طاہر بن علی ہے۔ کتب سیر میں آپ کا نام آپ کے والد محترم کے نام کے ساتھ محمد طاہر بھی ملتا ہے جس میں لفظ "ابن" حذف ہے۔

مولف "تاریخ گجرات" علامہ ابو ظفر ندوی کے نزدیک آپ کا شجرہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ تک جاملتا ہے اور انہوں نے آپ کا سلسلہ نسب یہ بیان کیا ہے: محمد بن طاہر بن علی بن الیاس بن ابو النصر داؤد بن ابو عیسیٰ عبد الملک بن ابو الفتح یونس شامی بن عمر شامی بن عبد اللہ بن ابو العطاء حسین بن ابو المحامد احمد غریب بن ابو قاسم محمد بن ابو الصلاح محمد بن ابو الفیض عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن قاسم بن ابو النصر بن ابو المجد خلف بن احمد بن شعیب بن ابو طلحہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ابن ابو بکر صدیقؓ۔
(تذکرۃ المحدثین صفحہ 380)

اسی طرح آپ کے پوتے مفتی مکہ علامہ شیخ عبد القادر بن ابو بکر (متوفی 1138ھ) کے استاد علامہ شیخ عبد اللہ طرفہ مکی شافعی انصاری نے اپنے شاگرد سے یہ اشعار کہے:

قد کان جد ابیك بلّ ضریحه
من اوحد العلماء و الفضلاء
اعنی محمد طاهر من منجی
الصدیق حققه بغیر مراء

(اتحاف النبلاء لصدیق حسن قنوجی صفحہ 398)

ترجمہ: تمہارے پڑ دادا کی قبر کو خدا سیراب کرے، وہ علماء و فضلاء میں یکتا تھے۔ میری مراد محمد طاہر سے ہے جو بلا شک و شبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نسل سے تھے۔

لیکن علامہ صاحب موصوف اپنی تصنیف "تذکرۃ الموضوعات" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

"محمد بن طاہر بن علی فتّنی، ہندی مسکن اور نسب کے لحاظ سے اور مذہباً حنفی"

(مقدمہ تذکرۃ الموضوعات جزء 1 صفحہ 3)

اسی طرح علامہ عبد الحق محدث دہلوی، علامہ آزاد بلگرامی وغیرہ نے آپ کو ہندی نژاد قرار دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ صدیقی النسب ہیں یا ہندی نژاد۔ اس کے بارہ میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض کے نزدیک آپ والدہ کی طرف سے صدیقی النسب تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ بنسبت اعتقاد صدیقی تھے کیونکہ شیعہ خود کو حیدری کہتے ہیں، اس لیے علامہ صاحب صدیقی کہلائے۔ علامہ صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب اتحاف النبلاء میں لکھتے ہیں کہ:

"زیادہ راجح قول ثانی ہے کیونکہ ان کی ماں تو صدیقی النسب نہ تھیں البتہ والد ہو سکتے ہیں اس ضمن میں علامہ طرفہ انصاری کا شعر بھی قابل غور ہے۔"

(اتحاف النبلاء صفحہ 398)

ایک اور رائے یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ کا تعلق تاجر خاندان سے تھا جو بوہرہ (تجارت پیشہ) کہلاتا تھا۔ بوہرہ قوم وہ ہے جو عرب کے قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتی ہے اور تجارت کی غرض سے گجرات آکر آباد ہوئی۔

آپ کے نسب کے متعلق دونوں آراء درست ہیں۔ آپ صدیقی النسب بھی تھے اور ہندی بھی۔ صدیقی النسب کے متعلق دو علماء کی مندرجہ بالا شہادتیں ہیں علامہ ابو ظفر ندوی نے تو پورا نسب نامہ ہی تحریر کر دیا اور دوسری شہادت علامہ شیخ عبد اللہ طرفہ مکی شافعی انصاری کی ہے۔ ہندی کے متعلق آپ خود اپنی تصنیف "مقدمہ تذکرۃ الموضوعات" فرماتے ہیں کہ "میں مسکن کے لحاظ سے ہندی ہوں اور نسباً بھی"۔ آپ کی اس بات سے یہ واضح ہے کہ آپ چونکہ ہندوستان کے علاقہ گجرات میں پیدا ہوئے اور یہیں آپ کی سکونت تھی اس لیے ہندی ہوئے اور چونکہ آپ کا آباءواجداد عرب سے بغرض تجارت گجرات ہجرت کر آئے اور یہیں مستقل آباد ہو گئے۔ عین ممکن ہے کہ طویل عرصہ سے خاندان کے یہیں آباد رہنے اور یہاں کے ہندی نژاد لوگوں سے قرابت داریوں کی وجہ سے آپ نے خود کو ہند سے منسوب کیا ہو۔ واللہ اعلم

ولادت

علامہ محمد بن طاہر کی ولادت 914ھ میں پٹن نہروالہ کاٹھیاواڑ گجرات میں ہوئی۔ آپ کے سن ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک 912ھ تو بعض کے نزدیک 913ھ۔ لیکن آپ کے پوتے شیخ عبد الوہاب اور علامہ عبد الحق محدث دہلوی کے نزدیک آپ کا درست سن ولادت 914ھ ہی ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

علامہ محمد بن طاہر کے زمانہ میں گجرات علوم وفنون کا مرکز تھا۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ صغر سنی میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا۔ پھر اپنے علاقہ کے علماء وفضلاء کی شاگردی اختیار کی اور تمام کتب متداولہ کا مطالعہ کیا۔ 15 سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ اور اصول و فروع میں طاق ہوئے۔

زمانہ طالبعلمی

علامہ صاحب نے زمانہ طالبعلمی میں بہت صعوبتیں اٹھائیں۔ ہم عصر طلباء سے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی قابلیت و علمیت کی وجہ سے حاسد طلباء اور اساتذہ آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرتے۔ ان تمام مصائب پر صبر کرتے ہوئے آپ نے یہ منت مانی کہ اگر اللہ نے مجھے علم عطا کیا تو میں اللہ کی رضا کے مطابق انصاف سے علم کی نشر و اشاعت کروں گا۔ تعلیم میں کسی قسم کا بخل نہیں کروں گا۔ چنانچہ جب آپ نے اپنی تعلیم مکمل کی تو ایسا ہی کر کے دکھایا۔ آپ نے خدا کی خاطر یہ فریضہ سر انجام دیا اور اپنی تدریس سے ایک عالم کو ایسا نفع پہنچایا جس کو کوئی شمار نہیں۔

(النور السافر صفحہ 476)

اساتذہ

علامہ محمد بن طاہر نے گجرات میں جن چار اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، ان میں مولانا شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سمہودی، شیخ ید اللہ سوہی اور ملا متھ یا مٹھ (استاذ الزمان) شامل ہیں۔ ملا متھ نے

ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہوا تھا۔ علامہ صاحب موصوف نے وہیں ملا صاحب کی شاگردی میں اپنی تعلیم کو مکمل کیا۔ شیخ ملا متھ کی وفات کے بعد علامہ صاحب موصوف کو ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔

(تذکرہ شیخ محمد طاہر صفحہ 29 بحوالہ تذکرۃ المحدثین صفحہ 386)

سفر حرمین شریفین

علامہ محمد بن طاہر تیس سال کی عمر تک اپنے وطن میں ہی تعلیم و تدریس کرتے رہے پھر 944ھ میں علم حدیث کے شوق میں حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ پھر مدینہ منورہ میں روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کی۔ بعدہ مکہ مکرمہ آکر وہاں کے نامور ارباب کمال سے اکتسابِ فیض کیا۔ ان معروف علماء و فضلاء میں شیخ ابوالحسن محمد بن عبد الرحمٰن بکری (متوفی 952ھ)، علامہ ابوالعباس احمد بن محمد بن علی المعروف ابن حجر ہیثمی مکی (متوفی 972ھ)، شیخ ابوالحسن علی بن محمد ابن عراق (963ھ)، شیخ جاراللہ بن فہد مکی (954ھ) اور شیخ علاؤالدین علی متقی (975ھ)، شیخ عبد اللہ عیدروس، شیخ برخوردار سندھی، شیخ عبید اللہ حضرمی وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے علامہ علی بن حسام الدین متقی جون پوری جو اپنے ہم عصروں میں علم حدیث میں ممتاز تھے، ان سے آپ نے علم حدیث میں کافی استفادہ کیا اور انہوں نے آپ کو روایت احادیث کی اجازت دی ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی بیعت بھی کر لی۔

(ماثر الکرام جزء 1 صفحہ 194)

علامہ محمد بن طاہر کو علامہ علی متقی سے اس قدر عقیدت تھی کہ انہوں نے اپنی ''مجمع بحارالانوار'' کو ان کے نام معنون کیا ہے۔

درس و تدریس

حرمین شریفین میں کئی سال قیام کے بعد جب اپنے وطن کو لوٹے تو درس و تدریس اور تصنیف کا کام شروع کیا۔ آپ نے اپنے شہر میں ہی ایک مدرسہ قائم کیا جس میں متعدد علوم پڑھائے جاتے تھے۔ حدیث کا درس آپ خود دیتے تھے۔ اس کے علاوہ احمد آباد میں سلطان احمد کی مسجد میں بھی درس دیا۔ آپ

کے درس میں دیگر مدارس کے طلباء بھی تحقیق و رہنمائی کے لیے آتے۔ سلطان محمود ثانی کے ایک وزیر کو کچھ امور میں مشکل درپیش آئی تو وہ بھی آپ کی خدمت میں آیا اور تسلی بخش جواب پاکر لوٹا۔

(رسالہ مناقب اردو ترجمہ صفحہ 99)

تلامذہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ علامہ صاحب نے اپنی منت اور عہد کو تحصیل علم کے بعد پورا کیا اور طلباء کی تعلیم میں کسی قسم کا بخل نہ کیا اور انہیں ہر قسم کی امداد سے نوازا۔ آپ کو اپنے والد محترم کے ترکہ میں کافی مال و دولت حاصل ہوا جسے آپ نے طلباء کی تعلیم و تربیت اور تحصیل علم کے لیے خرچ کیا۔

آپ نے تحصیل علم کا شوق رکھنے والے بچوں کی تلاش کے لیے معلم کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جو بچے قابل اور ذہین ہوں انہیں آپ کے پاس بھجوادیا کرے۔ آپ ان قابل اور ذہین بچوں سے ان کے احوال دریافت کرتے۔ جو بچہ امیر ہوتا، اسے کہتے کہ خوب محنت اور لگن سے علم حاصل کرو۔ اگر غریب ہوتا تو اسے کہتے کہ دل لگا کر علم حاصل کرو اور فکر معاش سے بے فکر ہو جاؤ۔ میں تمہاری تعلیم اور تمہارے اہل و عیال کے خرچ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر تحصیل علم میں خوب جدوجہد کرو۔ آپ تمام ایسے غریب طلباء کو وظیفہ عطا کرتے۔ یہاں تک آپ کے شاگردوں کی ایک بہت بڑی جماعت صاحب علوم وفنون ہو گئی اور آپ نے اپنا تمام مال ان پر خرچ کر دیا۔

(شذرات الذھب جزء10 صفحہ 601)

آپ اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے روشنائی بنا کر طلباء کو مفت دیا کرتے تھے۔ بوقت تدریس بھی زبان سے پڑھاتے جاتے اور ہاتھ سے سیاہی گھوٹا کرتے اور کہتے کہ ہاتھوں کو بھی کام میں لگا رہنا چاہیے۔

(اخبار الاخیار صفحہ 560)

آپ کے شاگردوں میں شیخ ضیاء الدین گوالیاری، میاں احمد خان پٹنی، داؤد بن حسن، ابو البشر محمد فضل، برہان الدین واعظ، نور محمد، عبد اللہ بن فتح، شیخ جیون سورتی، شیخ محمد شطاری، شیخ عبد الہادی احمد آبادی، شیخ فرید پٹنی، شیخ عبد النبی، محمد اسحٰق وغیرہ شامل ہیں۔ (رسالہ مناقب اردو ترجمہ صفحہ 93-94)

آپ کے پوتے شیخ عبد الوہاب لکھتے ہیں کہ:

"ان کے علاوہ بے شمار دوسرے بزرگ بھی شاگردوں میں شامل ہیں جن میں کچھ معروف ہیں اور کچھ غیر معروف۔"

(تذکرۃ المحدثین از ضیاء الدین اصلاحی صفحہ 387)

علامہ محمد بن طاہر کا کتب خانہ

علامہ محمد بن طاہر نے اپنے علمی ذوق کے پیش نظر ایک کتب خانہ تیار کیا ہوا تھا۔ آپ نے مختلف ممالک سے نہایت قیمتی اور نایاب کتب منگوا کر اس میں جمع کی ہوئی تھیں۔

(گجرات کی تمدنی تاریخ از سید ابو ظفر ندوی صفحہ 199)

محبت علم حدیث و سنت

علامہ محمد بن طاہر پٹنی تمام مروجہ علوم میں دسترس رکھتے تھے۔ علماء و فضلاء نے آپ کو کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل سے نوازا"

(اخبار الاخیار صفحہ 559)

آپ کو دیگر علوم کی نسبت علم حدیث سے زیادہ محبت تھی۔ آپ نے اس میں کمال حاصل کیا اور اس فن میں ماہر ہوئے اور امام بنے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی حدیث کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ اسی وجہ سے آپ کو رئیس المحدثین اور ملک المحدثین بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ عبد القادر بن شیخ بن عیدروس لکھتے ہیں:

"آپ متعدد علوم میں ماہر ہوئے اور اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔ حتیٰ کہ گجرات میں ان کے درجہ و مرتبہ کا کوئی محدث نہ تھا۔"

(النور السافر صفحہ 475)

آپ نے حدیث کے ساتھ سنت کی اشاعت میں بھی نمایاں خدمت سر انجام دی۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب آپ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"خادم حدیث نبوی و ناصر سنن مصطفوی است" (اتحاف النبلاء صفحہ 397)

یعنی حدیث نبویؐ کے خادم اور سنن مصطفیٰ ﷺ کے ناصر (مددگار) ہیں۔

لغوی امام

آپ نے علوم حدیث کے علاوہ علم لغت میں بھی مہارت حاصل کی اور مشکل الفاظ کی ایک جامع لغت ''مجمع بحار الانوار'' مرتب کی جس میں قرآن مجید اور حدیث کے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق درج کی۔ حل لغات کے علاوہ احادیث کی عمدہ شرح اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے۔ علامہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

''ان کی تصنیفات میں مجمع البحار بھی ہے جو صحاح ستہ کی شرح کی متکفل وضامن ہے۔''

(اخبار الاخیار صفحہ 560)

فرقہ مہدویہ کی تردید

علامہ محمد بن طاہر ناصر السنت والحدیث تھے۔ آپ نے بدعات کے خلاف جہاد کیا۔ آپ حب فی اللہ کے قائل تھے لیکن بدعتیوں کے سخت مخالف تھے۔ آپ کی قوم بوہرہ دو گروہوں میں منقسم تھی ایک شیعہ اور دوسرا اہلسنت۔ آپ کا تعلق اہل سنت قوم بوہرہ سے تھا۔ لیکن یہ دونوں گروہ غلط رسم و رواج اور بدعات میں مبتلا تھے۔ پھر دوسری طرف فرقہ مہدویہ سر اٹھا رہا تھا جس کے بانی سید محمد جونپوری 903ھ میں پٹن آئے اور وہاں سے نو میل دور مقام برلی پر انہوں نے دعویٰ مہدویت کر دیا۔ فرقہ مہدویہ نے اپنی تبلیغ خوب زور وشور سے شروع کر دی اور نہ ماننے والوں کو پہلے کافر قرار دیا پھر نوبت بایں جارسید کہ منکرین کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں گجرات میں فساد پھیلتا گیا۔ احمد آباد میں علامہ محمد بن طاہر کے شیخ علی متقی نے مہدویوں کے فتنہ کے آگے بند باندھا اوران کے خلاف ایک رسالہ بھی لکھا جس کے نتیجہ میں وقتی طور پر تو یہ فتنہ دب گیا لیکن سلطان محمود ثانی کی شہادت کے بعد انہوں نے پھر سر اٹھایا اور خانہ جنگی کی وجہ سے مہدیوں کا فتنہ بڑھتا چلا گیا۔

جب علامہ محمد بن طاہر نے یہ حالات دیکھے تو آپ نے سب سے پہلے اپنی قوم کے شیعہ بوہروں کے عقائد کے خلاف درس و تقاریر اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی قوم کے بدعقائد اور بدعات کے خلاف انہیں نصائح کیں اور سنت پر کاربند ہونے اور برائیوں کو چھوڑنے کی تلقین کی اور اصلاح نفس کی

طرف توجہ دلائی۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ وعظ پٹن سے نکل کر ارد گرد بھی پھیلنے لگا جس پر مہدویوں کو کافی تکلیف پہنچی۔

علامہ ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

"شیخ محمد بن طاہر وعظ، تقریر، تحریر ہر طریقہ سے قوم کی اصلاح اور بدعت و مہدویت کے استیصال پر کمربستہ ہوگئے۔ عقلی و نقلی ہر قسم کی دلیلوں سے عقائد حقہ کا اثبات کیا اور عقائد باطلہ کی تردید کی۔"

(تذکرۃ المحدثین صفحہ 395)

حاکم وقت کو نصیحت

علامہ محمد بن طاہر نے حاکم وقت شیر خان فولادی کو جو مہدویوں کا پشت پناہ بھی تھا، ایک رسالہ " نصیحۃ الولاۃ "لکھ کر تحفۃً پیش کیا اور بدعقائد کو ترک کرنے کی تلقین کی جس پر کچھ دیر تو خاموشی رہی لیکن پھر وہی حالات ہوگئے۔ چنانچہ ایسے ہی دن گزرتے گئے۔ آپ جب اس بارہ میں سعی کرتے تو مہدوی رک جاتے اور پھر چند دنوں بعد اپنی پرانی روش پر چل پڑتے۔ موسیٰ خاں فولادی نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ چنانچہ ایک دن فرقہ مہدویہ کے لوگوں نے ان کے مدرسہ میں ان پر قاتلانہ حملہ کیا جس میں علامہ صاحب زخمی ہو گئے اور بیس بائیس روز تک صاحب فراش رہے۔ مگر تندرستی کے بعد شیخ دوبارہ فرقہ مہدویہ اور اہل بدعت کے خلاف سرگرم ہوگئے۔

(تذکرۃ المحدثین صفحہ 395)

فتح گجرات اور مہدویوں کو شکست

روایات میں ملتا ہے کہ انہی ایام میں مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے امراء میں سے ایک امیر حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا وہاں علامہ صاحب کی ایک کتاب "کفایۃ المفرطین " دیکھی تو اسے وہ کتاب بہت پسند آئی اس نے ارادہ کیا کہ واپسی پر علامہ صاحب سے ملے گا۔ دفع شر کی دعا کے پندرہویں روز وہ امیر آپ سے ملے۔ آپ نے اسے کل حالات بتائے اور ایک خط مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے نام

اور دوسرا صدر الصدر عبد الغنی کے نام لکھا۔ ان خطوط کے نتیجہ میں اکبر بادشاہ نے گجرات کی طرف توجہ کی اور مالوہ سے ہوتے ہوئے گجرات پر لشکر کشی کر کے 980ھ میں پٹن پر قبضہ کر لیا۔

گجرات فتح ہوتے ہی جب اکبر بادشاہ نے علامہ محمد بن طاہر سے ملاقات کی تو انہیں شیخ الاسلام کا لقب دیا نیز کہا کہ دین کی حفاظت میرا فرض ہے آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ میں بھی اس میں آپ کی پوری مدد کروں گا۔ اکبر بادشاہ نے اپنے رضاعی بھائی خان اعظم مرزا عزیز کو گجرات کا گورنر بنایا جس نے علامہ صاحب کی ہر طرح کی مدد کی۔ یوں فتنہ مہدویت کا شور ختم ہوا اور وہاں امن وامان قائم ہوا۔

(اتحاف النبلاء صفحہ 398)

شہادت

اس کے بعد علامہ صاحب پھر درس و تدریس اور تصنیف کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ لیکن جب خان اعظم کی جگہ عبد الرحیم خان خاناں گورنر ہوا تو اس نے مہدویوں کی حمایت کی جس کی وجہ سے انہوں نے پھر سر اٹھانا شروع کر دیا اور 986ھ میں بادشاہ کو ان حالات سے مطلع کرنے کے لیے آگرہ روانہ ہوئے۔ علامہ وجیہ الدین علوی نے آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن آپ نہ رکے۔

اطلاع پاتے ہی مہدوی بھی آپ کے تعاقب میں نکلے۔ علامہ صاحب مالوہ سے ہوتے ہوئے سارنگ پہنچے۔ سارنگ میں تین روز قیام کے بعد اجین کے قریب ایک گاؤں سو گئے اور اسی گاؤں میں 6 شوال 986ھ کو نماز تہجد کے دوران آپ کو مہدویوں نے شہید کر دیا۔

علامہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"آپ نے علاقہ گجرات کے بدعتیوں کی بدعتیں چھڑانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی لیکن اسی جماعت کے افراد نے آپ کو 980ھ میں شہید کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششیں قبول کرے اور مسلمانوں کے لیے اچھے کام کرنے کے عوض میں اچھے بدلے عنایت کرے۔"

(اخبار الاخیار صفحہ 560)

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"شیخ علی متقی کے شاگردوں میں محمد بن طاہر پٹنی تھے جنہوں نے اپنے استاد کی پیروی میں مخالفت بدعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور بالآخر اسی کوشش میں شہید ہوئے۔"

(رود کوثر صفحہ 354)

آپ کی نعش مبارک کو مالوہ سے پٹن لایا گیا اور آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

اولاد

مشہور محقق علامہ ابو ظفر ندوی کے نزدیک علامہ محمد بن طاہر کے چار بیٹے تھے۔ 1۔ ابراہیم 2۔ احمد 3۔ ابو بکر 4۔ نورالحق

آپ کے صاحبزادے احمد کے بیٹے شیخ عبد الوہاب فقیہ تھے۔ پہلے قاضی عسکر اور پھر قاضی القضاۃ رہے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے ابو بکر کے بیٹے شیخ عبد القادر فقہ و افتاء کے عالم تھے مفتی مکہ بھی رہے۔

تصنیفات

علامہ محمد بن طاہر جب حجاز سے واپس تشریف لائے تو درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کیا۔ آپ ایک باکمال مصنف تھے۔ آپ نے بہت سے علمی رسائل اور بلند پایہ کتب یاد چھوڑیں۔ آپ کی تمام تصانیف بہت عمدہ، جامع، علمی اور تحقیقی ہیں۔ جن سے علمائے عالم اسلام مستفیض ہو رہے ہیں۔

آپ کی کتب کی کوئی معین تعداد تو نہیں ہے البتہ علامہ ضیاء الدین اصلاحی نے آپ کی 31 کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ جن میں سے چند معروف درج ذیل ہیں:

المغنی، تذکرۃ الموضوعات، قانون الموضوعات، مجمع بحارالانوار، کفایۃ المفرطین، چہل حدیث، حاشیہ صحیح بخاری، حاشیہ صحیح مسلم، حاشیہ مشکوۃ المصابیح، حاشیہ توضیح و تلویح، سوانح نبویؐ عربی و فارسی، مختصر اتقان، نصاب البیان، لسان المیزان وغیرہ

اخلاق کریمانہ

علامہ محمد بن طاہر نہایت متقی اور عابد وزاہد تھے۔ آپ باقاعدہ تہجد گزار تھے۔ آپ بلند روحانی مقام ومرتبہ پر فائز تھے۔ شیخ علی متقی نے جمعہ 27 رمضان کو خواب میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اس زمانہ میں سب سے افضل کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یعنی شیخ علی متقی! انہوں نے دریافت کیا پھر کون افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا محمد بن طاہر۔

(النور السافر صفحہ 475)

آپ کے پوتے شیخ عبد الوہاب لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ شرعی احکام اور حدود دین کو قائم رکھنے میں پانی ہمت صرف فرماتے تھے، کسی حاکم وقت یا طاقتور امیر کا خوف نہ کرتے تھے وہ خالص اللہ کے لئے محبت اور خالص اللہ کے لئے عداوت کے قائل تھے۔ اس بنا پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اختیار کرنے والے سے دوستی اور بدعتیوں سے دشمنی رکھتے تھے۔''

(رسالہ مناقب اردو صفحہ 98 بحوالہ تذکرۃ المحدثین صفحہ 393)

دعائے مباہلہ

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:

''بعض نادان مولوی لکھتے ہیں کہ غلام دستگیر نے مباہلہ نہیں کیا صرف ظالم پر بددعا کی تھی مگر میں کہتاہوں کہ جبکہ اُس نے میرے مرنے کے ساتھ خدا سے فیصلہ چاہا تھا اور مجھے ظالم قرار دیا تھا تو پھر وہ بددعا اس پر کیوں پڑ گئی اور خدا نے ایسے نازک وقت میں جبکہ لوگ خدائی فیصلہ کے منتظر تھے غلام دستگیر کو ہی کیوں ہلاک کر دیا اور جبکہ وہ اپنی دعا میں میرا ہلاک ہونا چاہتا تھا تا دنیا پر یہ بات ثابت کر دے کہ جیسا کہ محمد طاہر کی بددعا سے جھوٹا مہدی اور جھوٹا مسیح ہلاک ہو گیا تھا میری بددعا سے یہ شخص ہلاک ہو گیا تو اس دعا کا اُلٹا اثر کیوں ہوا یہ تو سچ ہے کہ محمد طاہر کی بددعا سے جھوٹا مہدی اور جھوٹا مسیح ہلاک ہو گیا تھا اور اُسی محمد طاہر کی ریس سے غلام دستگیر نے میرے پر بددعا کی تھی تو اب یہ سوچنا چاہیے کہ محمد طاہر کی بددعا کا

کیا اثر ہوا اور غلام دستگیر کی دعا کا کیا اثر ہوا اور اگر کہو کہ غلام دستگیر اتفاقاً مر گیا تو پھر یہ بھی کہو کہ وہ جھوٹا مہدی بھی اتفاقاً مر گیا تھا محمد طاہر کی کوئی کرامت نہ تھی۔ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد22 صفحہ 344-345)

اسی طرح حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے غلام دستگیر قصوری کے ذکر پر فرمایا:

"اس نے ایک ایسا مباہلہ کیا تھا جس کی نظیر پہلے بھی اسلامی دُنیا میں موجود ہے جس کا اس نے خود ہی اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ محمد طاہر نام تھے ان کے زمانہ میں دو شخص پیدا ہوئے۔ ایک نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا تھا اور ایک نے مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا جس پر مولوی محمد طاہر صاحب نے خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا کی کہ یا الٰہی اگر یہ مدعی جھوٹے ہیں تو ان کو ہلاک کر اور اگر ان کو نہ ماننے میں میں جھوٹا ہوں تو مجھے ہلاک کر۔ چونکہ وہ دونوں کاذب تھے۔ اس واسطے ہر دو ہلاک ہو گئے۔ غلام دستگیر نے بھی اسی طرح مباہلہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ میں وہی دُعا کرتا ہوں جو کہ محمد طاہر نے کی تھی چونکہ اس کے مقابل میں جو شخص تھا وہ سچا ہے اس واسطے غلام دستگیر خود ہلاک ہو گیا۔"

(ملفوظات جلد5 صفحہ 61-62)

گیارہویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ احمد سرہندی

مجدد الف ثانیؒ

شبیہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

مقبرہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

نام و نسب

آپ کا نام احمد، کنیت ابو البرکات، لقب بدر الدین اور عرف امام ربانی ہے۔ والد محترم کا نام عبد الاحد تھا۔ آپ کا نسب اٹھائیس واسطوں سے خلیفۂ راشد حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ سے جاملتا ہے۔ اسی نسبت سے آپ فاروقی بھی کہلائے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے:

حضرت شیخ احمد بن مخدوم عبد الاحد بن زین العابدین بن عبد الحیٔ بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبد اللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ الواعظ الاصغر بن عبد اللہ الواعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن حضرت عبد اللہؓ بن حضرت عمر فاروقؓ۔

خاندانی پس منظر

حضرت امام ربانیؒ کا آبائی وطن مدینہ منورہ تھا پھر وہاں سے آپ کے آباء واجداد کابل افغانستان منتقل ہوگئے۔ آٹھویں صدی ہجری میں فیروز شاہ کے دور حکومت میں آپ کے جد اعلیٰ امام رفیع الدین کابل سے ہندوستان ہجرت کر آئے۔ پہلے ''سنّام'' پھر ''سرہند'' میں سکونت اختیار کی۔ امام رفیع الدین اپنے آباء واجداد کی طرح علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے اور بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر سید جلال الدین بخاری نے آپ کو اپنا امام نماز مقرر فرمایا۔

امام رفیع الدین کے صاحبزادے شیخ حبیب اللہ بھی اپنے زمانہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے پھر ان کے بیٹے محمد اپنے والد محترم کے قابل جانشین بنے اور شیخ محمد کے فرزند شیخ عبد الحیٔ بھی اپنے وقت کے جید عالم اور نیک بزرگ تھے۔ شیخ عبد الحیٔ کے بڑے بیٹے شیخ زین العابدین اپنے والد محترم کی مسند پر بیٹھے اور علم و فضل میں مقام حاصل کیا۔ حضرت امام ربانی کے والد محترم عبد الاحد بھی علم دوست انسان تھے

جنہوں نے اپنے زمانہ کے معروف صاحب طریقت اور صوفیاء سے استفادۂ کمال کیا۔ غرضیکہ حضرت مجدد الف ثانی کا خاندان علوم ظاہری و باطنی کا حامل تھا۔

قبل از ولادت بشارات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی پیدائش سے متعلق مختلف بشارات کا ذکر ملتا ہے۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حدیث " يَكُونُ فِي أُمَّتِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ صِلَةٌ يَدْخُلُ بِشَفَاعَتِهِ الْجَنَّةَ كَذَا وَكَذَا"

(جمع الجوامع جزء13 صفحہ 331، کنز العمال جزء12 صفحہ 185)

کہ میری امت میں ایک ایسا شخص ہو گا جو" صلة (یعنی مخلوق کو خالق سے جوڑنے والا)" کہلائے گا، اس کی شفاعت سے ایسے ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے، کے مصداق آپ ہیں اور اس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں خود کو" صلة "قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

"الحمد لله الذی جعلنی صلة بین البحرین ومصلحا بین الفئتین اعمل الحمد لله علی کل حال والصلوۃ والسلام علی خیر الانام وعلی اخوانہ الکرام من الانبیاء والملئکة العظام۔"

کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا اور دو گروہوں میں صلح کرانے والا بنایا ہے اور درود و سلام ہو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو تمام مخلوقات میں سے سب سے افضل اور تمام انبیاء و ملائکہ پر بھی درود و سلام ہو۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب نمبر 6)

اس عبارت میں دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت کے سمندر اور دو گروہوں سے مراد علماء و صوفیاء کے گروہ مراد ہیں۔

(تذکرۃ مشائخ نقشبندیہ از محمد نور بخش توکلی صفحہ 265)

خاکسار نے جب اس روایت کی تخریج کی تو معلوم ہوا کہ یہ روایت ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مبارک (متوفی: 181ھ) نے اپنی کتاب " الزھد والرقاق "میں بھی نقل کی ہے اور اس میں اس شخصیت کا پورا نام " صلۃ بن اشیم " درج کیا ہے۔

علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں "صلۃ بن اشیم عدوی" کا ذکر کیا ہے اور اس روایت کو انہی سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ صلۃ بن اشیم کا تعلق بنو عدی سے اور کنیت ابو الصھباء تھی۔ متقی اور ثقہ عالم و فاضل تھے۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 7 صفحہ 96)

لیکن اولیاء اللہ اور بزرگان امت نے آپ کی ولادت کے متعلق متعدد پیش خبریاں دی تھیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ ایک روز جنگل میں مراقبہ میں تھے کہ آپ نے کشفًا دیکھا، آسمان سے ایک نور ظاہر ہوا جس نے تمام عالم کو منور کر دیا اس کے ساتھ ہی آپ کو القا ہوا کہ آپ کے پانچ سو سال بعد ایک بزرگ امت میں پیدا ہوگا جو دنیا سے الحاد و زندقہ اور شرک و بدعت کو مٹا دے گا اور تجدید دین محمدیؐ کرے گا اور اس کی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی۔ اس القا کے بعد آپ نے اپنا خرقہ بطور امانت اپنے صاحبزادے سید تاج الدین عبد الرزاق کو سپرد کیا اور وصیت فرمائی کہ جب اس بزرگ کا ظہور ہو تو اس کو میری طرف سے یہ دے دینا۔ یہ امانت نسل در نسل منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ شاہ کمالؒ کے پیر شاہ سکندرؒ نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔

(سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی از ابو البیان داؤد پسروری صفحہ 45)

پھر شیخ احمد جام نے بھی پیشگوئی کی کہ میرے بعد سترہ آدمی میرے ہمنام ہوں گے اور ان میں سب سے آخری شخص آنحضرت کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا جو سب سے افضل ہوگا۔

(سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی صفحہ 46)

اسی طرح شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ، شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، شیخ سلیم چشتیؒ، شیخ نظام نارنولیؒ، شیخ عبد اللہ علاؤ الدین سہروردیؒ، علامہ عبد الرحمٰنؒ نے حضرت امام ربانیؒ کی ولادت کی پیشگوئیاں کیں۔

والد محترم کا کشف

آپ کے والد محترم عبد الاحد نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیل گئی ہے۔ سؤر، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں ان کے سینے سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تمام ظالموں، زندیقوں اور ملحدوں کو بکرے کی طرح ذبح کر رہے ہیں کوئی شخص بآواز بلند کہتا ہے:

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

اس خواب کی تعبیر دریافت کرنے پر حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ نے بعد توجہ بتایا کہ شیخ عبد الاحد کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس سے الحاد و بدعت کی تاریکی دور ہو گی۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از محمد نور بخش توکلی صفحہ 252-253)

اسی طرح شاہی منجمین نے بھی آپ کی ولادت کے بارہ میں پیشگوئی کی۔

ولادت باسعادت

بشارات کے مطابق آپ کی ولادت 14 شوال 971ھ بمطابق 16 مئی 1564ء شب جمعہ شہر سرہند ضلع پٹیالہ، پنجاب، ہندوستان میں ہوئی۔

تحصیل علم

حضرت امام ربانیؒ نے اوائل عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا اور اپنے عالم و فاضل والد محترم سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے۔ اس کے بعد سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیریؒ سے اکتساب فیض کیا اور کتب حدیث شیخ خوارزمی کے شاگرد علامہ یعقوب کشمیری سے پڑھ کر سند حاصل کی۔ پھر قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر واحدی، اسباب النزول، تفسیر بسیط و وسیط، تفسیر بیضاوی، منہاج الوصول، صحیح بخاری مع متعلقات ثلاثیات، الادب المفرد، مشکوۃ المصابیح، ترمذی مع شمائل اور جامع صغیر و قصیدہ بردہ پڑھا اور انہوں نے آپ کو حدیث مسلسل "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" کے ساتھ مشکوۃ المصابیح کی اجازت دی۔ اس اجازت کی آپ کو اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ فرماتے تھے کہ "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقہ محدثین میں داخل کر لیا گیا ہے۔" (مشائخ نقشبندیہ از نفیس احمد صباحی صفحہ 478)

سترہ سال کی عمر تک آپ تمام مروجہ علوم وفنون میں ماہر ہو چکے تھے۔

(سیرت حضرت امام ربانی صفحہ 58-59)

درس وتدریس

تحصیل علم کے بعد آپ نے اپنے والد محترم کے شاگردوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ مختلف ممالک سے آنیوالے طلباء کو علم حدیث اور تفسیر کا صبح وشام درس دیتے۔ اسی زمانہ میں عربی وفارسی میں آپ نے متعدد رسالے تحریر کیے جن میں رسالہ تہلیلیہ، رسالہ اثبات نبوت، رسالہ ردّ شیعہ شامل ہیں۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ صفحہ 254)

سفر آگرہ

آگرہ جس کا پرانا نام اکبر آباد تھا اور مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کا دارالحکومت تھا۔ وہاں کے علماء وفضلاء کی شہرت کا سن کر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دل میں ملاقات کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ نے آگرہ کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں جا پہنچے۔ وہاں کے علماء آپ کی علمی قابلیت سے بہت متاثر ہوئے اور ملاقات کے لیے خود حاضر ہونے لگے۔ درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا اور طلباء آپ سے حدیث وتفسیر کی کتب کی سند حاصل کرنے لگے۔

اسی دوران شیخ سلیم چشتیؒ کے ایک خلیفہ آپ سے ملاقات کے لیے آئے اور بغور دیکھنے کے بعد کہا کہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تھا اور لوگوں کو بتایا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے بارہ میں اکثر اولیائے امت نے خبر دی تھی لیکن ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا۔

(سیرت حضرت امام ربانیؒ صفحہ 60)

ابوالفضل علامی سے مناظرہ

اکبر بادشاہ کے نورَتنوں میں سے دو بھائی ابوالفضل علامی اور فیضی بھی تھے۔ جن کی مجلس میں حضرت امام ربانیؒ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک روز ابوالفضل علامی نے علوم فلسفہ اور فلسفیوں کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے۔ جس پر حضرت امام ربانیؒ نے امام غزالی کی کتاب المنقذ من الضلال کی روشنی میں جواب دیا کہ جتنے بھی علوم فلاسفہ، طب وعلم نجوم وہیئت وغیرہ ہیں سب انبیاء گزشتہ

کی کتب و تعلیمات و کلمات سے سرقہ ہیں اور جو علوم خود ان کی طبائع کا نتیجہ ہیں مثلاً حساب ریاضی وغیرہ دین کے معاملہ میں قریباً بے فائدہ ہیں۔ جس پر ابو الفضل نے امام غزالی کے متعلق بے ادبی سے کلام کیا جس پر آپ خفا ہوئے اور اس کی مجلس میں آنا بند کر دیا۔ پھر اس نے آپ کی خدمت میں ایک شخص بھیجا اور معافی مانگ کر واپس بلایا۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ صفحہ 255)

فیضی کی تفسیر بے نقط میں معاونت

شیخ مبارک ناگوری کے بیٹے فیضی جو ابو الفضل علامی کے بھائی تھے وہ تفسیر بے نقط (مواطع الالہام) لکھ رہے تھے کہ امام ربانیؒ اس کے ہاں ایک روز تشریف لے گئے وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ خوب موقع پر آئے ہیں ایک مقام پر تاویل و تفسیر حروف غیر معجمہ میں دشواری در پیش ہے میں نے بہت کوشش کی ہے لیکن کوئی عبارت نہیں سوجھ رہی یہ سن کر حضرت امام ربانیؒ نے قلم اٹھا کر اس صفحہ کے مطالب کثیرہ حروف بے نقط کمال بلاغت میں تحریر فرما دیئے جس سے فیضی آپ کی علمی قابلیت کا معترف ہو گیا۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از محمد نور بخش توکلی صفحہ 256)

وطن واپسی اور شادی

آگرہ میں آپ ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ آپ کے والد محترم آپ کی محبت میں ملاقات کے لیے وہیں تشریف لے آئے۔ پھر اپنے والد محترم کی خواہش پر وطن واپسی کا قصد کیا۔ راستہ میں تھانیسر کے رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی جس کے بعد آپ کی مالی حالت بہت اچھی ہو گئی آپ نے اپنی نئی حویلی کے ساتھ ایک نئی مسجد تعمیر کروائی۔

(سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی از ابو البیان داؤد پسروری صفحہ 63)

حج بیت اللہ کا قصد اور سفر دہلی

حضرت امام ربانیؒ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول ﷺ کی بہت خواہش تھی لیکن والد محترم کی خدمت کی وجہ سے آپ نہیں جا پا رہے تھے۔ والد محترم کی وفات کے بعد 1008ھ میں آپ نے

زیارت مکہ و مدینہ کا عزم مصمم کیا اور تنہا سفر پر روانہ ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو وہاں حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہؒ کے مرید علامہ حسن کاشمیری سے ملاقات ہوئی جنہوں نے خواجہ صاحب موصوف کے کمالات کا ذکر کر کے ان سے ملاقات کی آپ کو تحریک کی۔ چنانچہ آپ نے خواجہ صاحب سے ملاقات کے لیے دہلی میں چند روز قیام کرنے کی ٹھانی۔

ملاقات و بیعت حضرت خواجہ باقی باللہؒ

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سلسلہ نقشبندیہ کے فرد یگانہ اور صاحب کمالات تھے۔ آپ کو ہندوستان آنے سے قبل خواب میں بتا دیا گیا تھا کہ ہندوستان کا ایک مرد خدا آپ کی تربیت میں آئے گا اور آپ کے باطنی فیوض سے فائدہ اٹھائے گا۔ چنانچہ جب حضرت امام ربانیؒ کی آپ سے ملاقات ہوئی تو خواجہ صاحب نے فوراً پہچان لیا اور خانقاہ میں چند روز قیام کے لیے کہا آپ نے وہاں ایک ہفتہ قیام کا وعدہ کیا جو بڑھتا بڑھتا تین ہفتے تک جا پہنچا۔ کچھ دن گزرتے ہی حضرت امام صاحب نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی بیعت بھی کر لی۔

(سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی صفحہ 70)

پھر حضرت خواجہ صاحب موصوف نے آپ کی قابلیت اور جوہر کو دیکھ کر آپ کو 1009ھ میں خلعت خلافت عطا کی اور اپنے چند معتبر اصحاب کے ہمراہ سرہند روانہ کیا۔

گوشہ نشینی اور زیارت رسولؐ

سرہند واپس آکر آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ پھر رفتہ رفتہ کچھ وقت حلقہ احباب میں بیٹھنے لگے۔ 10 ربیع الاول 1010ھ بروز جمعہ صبح کے وقت آپ حلقہ احباب میں بیٹھے تھے کہ حالت کشف میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اولیاء اللہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے آپ کو ایک نہایت خلعت فاخرہ پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدید الف ثانی کی خلعت ہے۔

(سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی از ابو البیان داؤد پسروری صفحہ 75)

اسی طرح اسی سال ایک روز نماز ظہر کے بعد آپ نے ایک اعلیٰ درجہ کی نور خلعت اپنے اوپر دیکھی اور ساتھ القاہوا کہ یہ قیومیت کی خلعت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کمال اتباع کے نتیجہ میں آپ کو عطا کی گئی ہے۔

سفر دہلی ولاہور

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنی تجدید کے دوسرے سال حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے دہلی جاکر ملاقات کی اور اکتساب فیض کے بعد دوبارہ سرہند واپس گئے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد لاہور تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء و صوفیاء نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور فیض حاصل کرنے لگے۔ قیام لاہور کے دوران 25 جمادی الثانی 1012ھ کو خواجہ باقی باللہؒ کا وصال ہوگیا۔ جس پر آپ فوراً دہلی پہنچے اور خواجہ صاحب کے پسماندگان سے تعزیت کی۔

تجدیدی کارنامے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے وقت ہندوستان میں مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کی حکومت تھی۔ بادشاہ کے درباری علمائے سوء نے اسکے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ اسلامی شریعت پر ایک ہزار سال مکمل ہوگیا ہے۔ پچھلے ایک ہزار سال میں دین کی تعلیمات اور احکامات پرانے ہوگئے ہیں۔ اب دین کی نئی تعبیر اور نئے فکری ڈھانچے کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام صرف بادشاہ وقت جو تمام اختیارات کا مالک اور مجتہد اعظم کی حیثیت رکھتا ہے، ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ اکبر نے دین الٰہی کے نام سے نیا دین بناڈالا۔ جس میں غیر شرعی احکام بھی شامل کر دیئے گئے۔ چنانچہ وہ دور مختلف خرافات اور رسومات کا مجموعہ تھا۔ اکبر بادشاہ کی غیر اسلامی حرکات کے نتیجہ میں اسلام خطرہ سے دوچار تھا۔ بدعات کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ غیر شرعی احکامات یعنی سورج کی پرستش، سور اور شراب کی حلت، دوسری شادی کی حرمت وغیرہ نافذ کیے جارہے تھے۔

ایسے پر آشوب دور میں آپ نے تجدید دین کا بیڑا اٹھایا اور ایک مخلص داعی الی اللہ اور مبلغ اسلام کے طور پر آپ نے نہایت حکمت اور مصلحت سے اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دیا۔ اکبر کے دور حکومت میں آپ نے اصلاح دین کا کام حکمت اور رازداری سے کیا اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو خفیہ رکھا۔

مکتوبات کے ذریعہ سے اعیان حکومت کو ان غیر شرعی حرکات سے مجتنب رہنے کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ اور خود ساختہ دین الٰہی کے خلاف قلمی و لسانی جہاد کیا۔

اصلاح جہانگیر

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کے تخت نشین ہونے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنی تبلیغ اور اصلاحی کوششوں کا کھل کھلم آغاز کر دیا۔ اکبر کے تیار کردہ دین الٰہی کو شاہی دربار کی حمایت حاصل تھی چنانچہ آپ نے وزراء و امراء اور اعیان حکومت کو مکتوبات لکھ کر انہیں اس نام نہاد دین الٰہی سے برگشتہ ہونے اور اسلام کی حقیقت کو جاننے کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ آپ نے جہانگیر بادشاہ کے مشیران خاص اور معاونین خصوصی کو مکتوبات لکھ کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بادشاہ کی اسلامی تعلیمات کے مطابق ذہن سازی کریں اور انہیں شریعت اسلامی کے متعلق آگاہ کریں چنانچہ سیر صدر جہاں، خان جہاں اور شیخ فریدی بخاری وغیرہ نے اس سلسلہ میں کافی معاونت کی۔ جس کے نتیجہ میں ایک روز خود جہانگیر نے کہا کہ ایک مجلس قائم کی جائے جو شریعت کے معاملات میں مشورہ دیا کرے۔ اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شیخ فریدی بخاری کو مکتوب لکھا کہ اس مجلس میں ایسے متقی اور نیک علماء شامل کیے جائیں جنہیں دولت و طاقت کا نشہ نہ ہو۔ اگر علمائے سوء شامل کر دیئے تو بجائے اصلاح دین کے اس میں مزید خرابیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔

(ملخص مکتوب نمبر 47، مکتوبات امام ربانی)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نیک، متقی علماء پر ایک شرعی مجلس قائم کر دی گئی۔ اور جہانگیر بھی اسلامی تعلیمات کی طرف مائل ہونے لگا اور اصلاح دین اسلام کی طرف راغب ہوا۔

سازش اور قید

اکبر کے نام نہاد دین الٰہی سے علمائے سوء کی روزی روٹی چلتی تھی جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کی انتھک کوششوں سے جہانگیر نے امور شرعیہ کے لیے مجلس قائم کی اور اس میں حضرت امام ربانی کی کوششوں سے نیک علماء شامل ہوئے تو علمائے سوء کو جان کے لالے پڑ گئے۔ انہوں نے جہانگیر کے کانوں میں یہ بات ڈالی کہ سرہند کا ایک شیخ زادہ خود کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے برتر اور افضل سمجھتا ہے اور اس

کے متعدد کفریہ دعاوی ہیں۔ نیز آپ کی مقبولیت بادشاہت کے لیے خطرہ قرار دیا۔ چنانچہ جہانگیر نے دربار میں طلب کیا اور آپ نے تمام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے اور مکمل وضاحت پیش کی تو بادشاہ مطمئن ہو گیا لیکن ایک وزیر نے بادشاہ کو کہا کہ آنجناب حاکم وقت ظل الٰہی اور خلیفۃ اللہ ہیں لیکن حضرت امام صاحب نے سجدہ تعظیمی تو دور، مناسب طریقہ پر آپ کی عزت افزائی بھی نہیں کی۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ پیشانی غیر اللہ کے سامنے ہرگز نہیں جھکے گی۔ اس پر بادشاہ سلامت ناراض ہو گئے اور آپ کو 1018ھ میں قلعہ گوالیار میں اسیر کر دیا۔

قید سے رہائی

ایک سال تک آپ وہاں اسیر رہے اور دوران قید قیدیوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے اور اشاعت اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ نتیجۃً قیدیوں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر آپ کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آپ نے اپنی رہائی کے لیے کچھ شرائط رکھیں کہ دین الٰہی کے غیر شرعی اصول کالعدم قرار دیئے جائیں اور اسلامی شریعت نافذ کی جائے، سجدہ تعظیمی ختم کر دیا جائے، گائے کے ذبیحہ کی اجازت دی جائے، مسمار مساجد کی از سر نو تعمیر کی جائے، ہر شہر اور قصبہ میں مدارس و مکتب قائم کیے جائیں، کفار پر جزیہ مقرر ہو وغیرہ۔ جہانگیر بادشاہ نے یہ تمام شرائط قبول کیں اور آپ آزاد ہوئے۔

(تذکرہ مشائخ عظام از ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صفحہ 386 تا 388)

علماء کی اصلاح

اکبر کے دور حکومت میں علماء و صوفیاء نے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے درباری مزاج کے مطابق اسلامی تعلیمات میں یونانی فلسفہ اور ہندوستانی تصورات اور مشرقی رسم و رواج کی آمیزش کر دی جس سے اسلامی تعلیمات اور اسلامی تصور تصوف کی اصل روح مٹ گئی اور ایسے عجیب و غریب طریقے وضع ہو گئے جن کا دین و عقل سے دور دور کا کوئی تعلق نہ تھا اور محض حصول جاہ و حشمت کا ذریعہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے علماء و صوفیاء کی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھایا اور اپنے مکتوبات و تقاریر و خطابات کے ذریعہ ان کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس کرایا اور ان کو توجہ دلائی کہ حقیقی بادشاہ کی خوشنودی

حاصل کرو نہ کہ دنیاوی بادشاہوں کے غلام بنو۔ آپ نے نیک اور متقی علماء کو ایوان حکومت میں رسائی دلائی جس سے بادشاہ کو بھی اسلام سے رغبت محسوس ہوئی اور وہ دین اکبری سے برگشتہ ہوا اور اپنے والد کے بنائے گئے دین الٰہی کو مکمل ختم کر دیا۔

صوفیاء کی رہنمائی

پھر آپؒ نے صوفیاء کو شریعت و طریقت کی راہوں پر گامزن کرایا اور انہیں اسلامی تصوف سے بہرہ ور کیا۔ فنا، بقا اور لقا کی حقیقت ان پر آشکار کی۔ آپ نے صوفیاء کو فرائض و سنن کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی کہ محض اذکار و وظائف ہی کافی نہیں اعمال صالحہ اور فرائض و سنن ادا کرنے بھی ضروری ہیں۔ آپ نے صوفیاء کو توجہ دلائی کہ ایک فرض نماز باجماعت ادا کرنا ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے۔

(مکتوب نمبر 260، مکتوبات امام ربانی)

اسی طرح آپ نے صوفیاء کو تلقین کی کہ اپنے مریدوں کو منع کریں کہ وہ آپ کو سجدہ نہ کریں کیونکہ معبود حقیقی کو ہی سجدہ کرنا جائز ہے۔ نیز آپ نے انہیں اپنی مجالس میں تصوف اور فقہ کی کتابیں پڑھنے کی طرف توجہ دلائی۔

(مکتوب نمبر 229، مکتوبات امام ربانی)

علمی مقام و مرتبہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے متعدد علوم ظاہری سے نوازا تھا۔ آپ علمائے راسخین میں سے تھے۔ قرآنی علوم میں بھی آپ طاق تھے۔ آپ نے شیخ بدیع الدین کے نام اپنے مکتوب میں متشابہات قرآنی اور رموز مقطعات پر سیر حاصل بحث کی۔ آپ ایک عظیم محدث، مجتہد اور متکلم بھی تھے۔ آپ نے اپنی علمی استعدادوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور سینکڑوں شاگردوں کو اپنے علم و فضل سے سیراب کیا۔ آپ نے مختلف ممالک میں اپنے مریدوں کو اصلاح و ارشاد کے کام کے لیے بھجوایا۔

تصانیف

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی تصنیفات سے بھی تجدید دین کا حق ادا کیا۔ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''مکتوبات امام ربانیؒ'' ہے جس کا اردو اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد رسائل و

کتب بھی تالیف فرمائیں جن میں مبدء و معاد، معارف لدنیہ، اثبات النبوۃ، مکاشفات غیبیہ، تعلیقات عوارف، آداب المریدین، رسالہ در مسئلہ وحدت الوجود، رد الرفضہ، رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ جذب وسلوک، رسالہ تہلیلہ، اثبات وثبوت، شرح رباعیات، رسالہ در علم حدیث وغیرہ شامل ہیں۔

محبت رسولؐ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو رسول اللہ ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ ایک دفعہ اپنے حلقہ احباب میں فرمایا:

محبت آنسرور بہ نہجے مسولی شدہ است

کہ حق سبحانہ و تعالیٰ را بواسطہ آں دوست

یعنی سرور کائنات ﷺ کی محبت اس طرح غالب آگئی ہے کہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا رب ہے۔

(تذکرۃ مشائخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی صفحہ 276)

وفات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو اپنی وفات کے بارہ میں قبل از وقت ہی اطلاع ہو گئی تھی۔ 1032ھ میں آپ اجمیر میں تھے کہ ایک روز فرمایا: آثار بتلاتے ہیں کہ اب کوچ کا زمانہ قریب ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور واپس سرہند آ گئے۔ سرہند میں آپ نے تبتل اختیار کر لیا اور تنہائی میں خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ 1033ھ کی عید الاضحی کی نماز ادا کرنے کے بعد مختصر تقریر کی جس میں آپ نے لوگوں کو بتا دیا کہ آپ عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں اور فرمایا کہ آثار مجھے بتلا رہے ہیں کہ میری عمر نبی ﷺ کی سنت کے مطابق تریسٹھ سال ہو گی۔ اب تریسٹھواں سال ختم ہونے کو ہے میں عنقریب تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا اور اپنے مولیٰ کا دیدار حاصل کروں گا۔"

(سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی از ابو البیان داؤد پسروری صفحہ 145)

اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کو ضیق النفس (دمہ) کا دورہ ہوا۔ 12 محرم 1034ھ کو آپ اپنے والد اور اپنے جد اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین کے مزاروں پر تشریف لے گئے اور دعائے مغفرت کی۔ آپ کا مرض دن بدن بڑھتا گیا۔ 13 صفر بوقت عصر آپ کو شدید بخار ہو گیا۔ دوران مرض بھی نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ اور رفع تکلیف کے لیے صدقات و خیرات بھی کرتے رہے۔ 23 صفر کو کچھ افاقہ بھی ہو گیا لیکن پھر بخار عود آیا۔ 29 صفر 1034ھ بروز بدھ بوقت اشراق بعمر تریسٹھ سال اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد سعید نے پڑھائی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

”اللہ تعالیٰ ہر صدی پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین کے

اس حصے کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہو“

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

بارہویں صدی کے مجدد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

شبیہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مقبرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

نام ونسب

آپ کا نام احمد، کنیت ابو الفیاض، لقب قطب الدین، عرف ولی اللہ اور تاریخی نام عظیم الدین ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نسب نامہ والد ماجد کی طرف سے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطابؓ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے جا ملتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ نجیب الطرفین ہیں۔ آپؒ نے اپنا نسب نامہ اپنی تصنیف ”امداد فی مآثر الاجداد“ میں یوں بیان کیا ہے:

”فقیر ولی اللہ ابن الشیخ عبد الرحیم ابن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن محمد بن قوام الدین عرف قاضی قازن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدہ بن عبد الملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطاء ملک بن ابو الفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔“

(انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ، اردو ترجمہ از سید فاروق قادری صفحہ 325)

قبل از ولادت بشارات

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد محترم شیخ عبد الرحیمؒ بیان کرتے ہیں کہ

”مجھے ایک دفعہ خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار مقدس کی زیارت کرنے کا اتفاق ہوا۔ دفعۃً ان کی روح مبارک نے مجھ پر ظاہر ہو کر فرمایا کہ شیخ عبد الرحیم! عنقریب تمھارے ہاں ایک فرزند رشید پیدا ہوگا۔ تم اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ لیکن چونکہ میری بی بی سن شباب کے تمام مرحلے طے کر کے زمانہ ایاس تک پہنچ گئی تھی اور اس عمر میں عادتاً ولادت کا تحقق نہیں ہوتا اس لیے مجھے گمان ہوا کہ شاید خواجہ کی مراد یہ ہے کہ جب تمھارے ہاں پوتا پیدا ہوگا تو اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا لیکن خواجہ نے میرے اس اندرونی خطرہ پر فوراً مشرف ہو کر فرمایا کہ نہیں میری یہ مراد نہیں ہے بلکہ جس لڑکے کی نسبت میں نے تمہیں بشارت دی ہے وہ تمھارے ہی صلب سے پیدا ہوگا۔“ (بوارق الولایت صفحہ 44-45)

اسی طرح شیخ عبد الرحیم صاحب کو ایک روز الہام ہوا کہ "تقدیر الٰہی اس پر جاری ہوئی ہے کہ ایک بلند اقبال اور ہونہار لڑکا اور پیدا ہو گا جس کی شہرت کا ستارہ اوج عروج پر پہنچ کر شہاب ثاقب کی طرح چمکے گا اور جس کے اقبال اور کمال کا آفتاب پوری ترقی کے نصف النہار کے مرکز پر پہنچ جائے گا۔"

(بوارق الولایت صفحہ 44-45)

آپ کی والدہ محترمہ نے بھی نماز تہجد میں آپ کی ولادت کی خوشخبری پائی۔ علاوہ ازیں دیگر کئی بزرگان نے آپ کی ولادت کے متعلق خوابیں دیکھیں اور بشارات دیں۔

ولادت باسعادت

ان بشارات کی بناء پر کچھ عرصہ بعد شیخ عبد الرحیم صاحب نے دوسری شادی کی اور اس زوجہ سے شاہ ولی اللہؒ 4 شوال 1114ھ مطابق 10 فروری 1703ء بروز چہارشنبہ بوقت طلوع آفتاب قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر یوپی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد محترم شیخ عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ "اگرچہ اول اول مجھے یہ واقعہ (بابت خواجہ قطب الدینؒ: ناقل) بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا اور اسی وجہ سے میں نے انہیں ولی اللہ کے نام سے شہرت دی لیکن جب وہ واقعہ یاد آیا تو میں نے ان کا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔"

(حیات ولی از مولوی محمد رحیم بخش صفحہ 218)

والد محترم کی بے پایاں شفقت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بچپن نہایت پاکیزہ تھا آپ دیگر بچوں کی نسبت زیادہ وضعدار، کم گو اور نرم گفتار تھے۔ آپ کی معصومانہ حرکات ہر فرد خانہ کے دل کو آپ کی طرف مائل کر دیتی تھیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے شیخ عبد الرحیم صاحب کو اپنے اس فرزند سے بے حد محبت ہو گئی اور وہ آپ کا ہر طرح کا خیال رکھتے اور تربیت پر خاص توجہ دیتے۔

چنانچہ شاہ صاحب موصوف خود بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اپنی عمر میں کوئی ایسا باپ یا کوئی استاد کوئی مرشد نہیں پایا جس نے اپنے فرزند و تلمیذ کی نسبت شفقت و مہربانی کے وہ دقائق مرعی رکھے

ہوں جو حضرت والد صاحب نے اس فقیر کی نسبت رکھے۔ اللھم اغفر لی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرا و جازھما بکل شفقۃ و رحمۃ و نعمۃ بھما علی مائۃ الف اضعافھا انك قریب مجیب"

(رسالہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف از شاہ ولی اللہؒ، مترجم ڈاکٹر محمد ایوب قادری)

ابتدائی تعلیم

پانچ سال کی عمر میں حضرت شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا جو آپ نے سات سال کی عمر میں ختم کر لیا۔ اسی سال آپ کے والد محترم نے آپ کی نماز باجماعت شروع کروادی۔ اس کے ساتھ آپ نے فارسی کی درسی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا اور چند روز میں انہیں مکمل کر لیا۔ پھر صرف و نحو کے مختصر رسالے پڑھ کر ان علوم پر عبور حاصل کیا۔

دس سال کی عمر میں آپ نے شرح ملا پڑھی۔ پھر علم منطق کے متعلق مطالعہ شروع کیا اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا کہ کوئی منطقی آپ کے مقابل پر نہ آپاتا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف میں تحصیل علم کا شوق، سیکھنے کا ملکہ اور غیر معمولی حفظ کی قوت خداداد تھی کہ آپ ایک ہی وقت میں متعدد علوم سیکھا کرتے تھے اور ایک علم کا کمال دوسرے علم کے کمال میں مانع نہ ہوتا تھا اور چھوٹی عمر میں ہی آپ کا شمار علوم مروجہ کے ماہرین میں ہونے لگا۔

شادی خانہ آبادی

چودہ سال کی عمر میں والد محترم کی خواہش پر آپ کی جلد شادی ہو گئی۔

(انفاس العارفین از شاہ ولی اللہؒ، اردو ترجمہ صفحہ 394)

صبر علی المصائب

آپ کے والد محترم کی طرف سے آپ کی شادی میں عجلت کی حکمت جلد ہی ظاہر ہو گئی کہ نکاح ہوتے ہی آپ کی خوشدامن صاحبہ وفات پا گئیں۔ چند روز بعد ہی خوشدامن کی والدہ کی وفات ہو گئی۔ ابھی یہ غم فرو نہ ہوا تھا کہ آپؒ کے تایا شیخ ابو الرضا محمد کے فرزند کی وفات ہو گئی۔ پھر ان صدموں کے بعد سب سے بڑا صدمہ آپ کو اپنی والدہ محترمہ کی وفات کا برداشت کرنا پڑا۔ ان صدمات کی تاب نہ لاتے ہوئے آپ کے والد محترم شیخ عبد الرحیم صاحب مختلف عوارض میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”غرضیکہ بزرگوں کی یہ جماعت منتشر ہو گئی اور خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس زمانہ میں شادی نہ ہوتی تو اس کے بعد کئی سال تک امکان نہ ہو تا کہ یہ بات (شادی) ہوتی۔“

(رسالہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف از شاہ ولی اللہؒ، مترجم ڈاکٹر محمد ایوب قادری)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان تمام صدمات پر کمال صبر کا مظاہرہ کیا لیکن ایسے جانکاہ حادثات کی وجہ سے آپ کی زندگی میں ایک بے اطمینانی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی لیکن آپ نے استقامت و استقلال اور صبر سے ان تمام مصائب کا مقابلہ کیا۔

والد محترم کی بیعت اور درس کی اجازت

پندرہ سال کی عمر تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تمام مروجہ علوم حاصل کر لیے اور علم تصوف سے بھی مسّ ہو گیا۔ پھر آپ نے اپنے والد محترم کی بیعت کی اور مشائخ صوفیاء نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہو گئے۔ اسی سال آپ کے والد محترم نے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور شہر کے تمام علماء و فقہاء اور مشائخ کو اس میں دعوت دی اور اس تقریب میں آپ کو آپ کے والد محترم نے دستار فضیلت باندھی اور درس کی اجازت عطا فرما کر علم و عمر میں برکت کی دعا کی۔ تمام شاملین نے حضرت شاہ صاحب کو مبارکباد دی۔

(انفاس العارفین از شاہ ولی اللہؒ، اردو ترجمہ صفحہ 394)

مزید علم کا حصول

اجازت درس کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے کتب کا مطالعہ جاری رکھا اور اس قدر اس میں مستغرق رہتے کہ آپ کو کسی چیز کا خیال نہ رہتا۔ اپنے تمام حاصل کردہ علوم کی دہرائی ایک سال میں نہایت محنت سے کی۔ کم کھاتے اور کم سوتے، زیادہ وقت مطالعہ کتب میں گزرتا۔ یوں عمر کے سترہ سال گزر گئے۔

والد محترم کی وفات اور درس وتدریس کا باقاعدہ آغاز

سترہ سال کی عمر میں جب آپ کے والد محترم کی وفات ہوگئی تو آپ نے درس و تدریس کا باقاعدہ آغاز کر دیا اور آپ کے علم کی شہرت چہار سو پھیل گئی۔ علماء آپ کی شاگردی کو باعث فخر سمجھتے اور دور دراز سے طلباء آپ کے علم سے فیضیاب ہوتے۔ بارہ سال تک آپ اپنے دروس سے تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے۔

علوم حدیث وسنت کی ترویج

ہندوستان میں اس زمانہ میں مسلمان مذہبی لحاظ سے پسماندگی کا شکار تھے۔ ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ اسلام محض نام کا رہ گیا اور سنت و حدیث کو بھلا دیا گیا تھا۔ اس دور میں سب سے پہلے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے سنت نبویؐ اور حدیث کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد شاہ صاحب موصوف کے والد بزرگوار شیخ عبد الرحیم نے یہ بیڑا اٹھایا اور دہلی میں ایک مدرسہ رحیمیہ قائم کیا جس میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے طلباء آکر علم سنت وحدیث کی تعلیم پاتے۔

شیخ عبد الرحیم صاحب کی وفات کے بعد اس کا جوا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی گردن پر آن پڑا۔ آپ نے اس سلسلہ میں نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ نتیجۃً آپ کی مقبولیت ہندوستان سے نکل کر عرب و عجم تک جا پہنچی۔ آپ ایک عالم باعمل تھے۔ اس خوبی کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے۔ آپ نے علم سنت وحدیث کو ان لوگوں تک پہنچایا جس کی وجہ سے تمام بلاد اسلامیہ میں اس بارہ میں نمایاں ترقی ہوئی۔

شاہ صاحب موصوف نے بارہ سال مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ نے نہایت محنت اور دیانتداری سے طلباء کی تعلیم وتربیت کی اور کسی سے کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا۔ قابل محنتی غریب طلباء کی مالی اعانت بھی فرمایا کرتے اور ان کی دلجوئی فرماتے۔

(انفاس العارفین از شاہ ولی اللہؒ، اردو ترجمہ صفحہ 396)

زیارت حرمین شریفین

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قلب میں تحصیل علم حدیث کا جو جذبہ موجزن تھا اس نے آپ کو ہندوستان میں مقید نہ رہنے دیا۔ آپ عازم سفر عرب ہوئے تا زیارت حرمین شریفین کے ساتھ وہاں کے مشائخ سے اخذ احادیث کر سکیں۔

بعض مورخین کے نزدیک آپ کے سفر عرب کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب آپ نے فارسی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا تو دہلی کے شدت پسند مولویوں نے اسے اپنی روزی روٹی کے لیے خطرہ سمجھا اور آپ کی جان کے درپے ہوگئے۔ چنانچہ ان نام نہاد مولویوں کے غیض وغضب کو فرو کرنے کی خاطر آپ نے یہ سفر اختیار کیا۔

(حیات ولی صفحہ 232)

لیکن زیادہ راجح سبب اول ہی ہے یعنی زیارت حرمین شریفین کا شوق اور تحصیل علم حدیث از مشائخ عرب۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب موصوف نے 1143ھ کے آخر میں حج بیت اللہ اور زیارت خانہ کعبہ کی سعادت پائی اور قریباً ایک سال تک مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے ۔ وہاں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم، شیخ محمد وفد اللہ ابن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی، شیخ تاج الدین قلعی، شیخ احمد شناوی، شیخ احمد قشاشی، سید عبد الرحمٰن ادریسی، شمس الدین محمد بن علاء بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ ابراہیم کردی، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد علی، شیخ عبد اللہ بن سالم بصری، اور دیگر معروف مشائخ عرب سے روایت حدیث اور سند علم حدیث حاصل کی۔

اس سفر میں آپ کے مرید اور شاگرد محمد عاشق بھی ہمراہ تھے۔

(رسالہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف از شاہ ولی اللہؒ، مترجم ڈاکٹر محمد ایوب قادری)

شرف ملاقات حسنینؓ

حضرت شاہ صاحب موصوفؒ نے اپنے سفر حرمین شریفین کا تذکرہ اپنی تصنیف ''فیوض الحرمین'' میں کیا ہے جس میں اپنے مشاہدات کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ اپنا چھٹا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"1144ھ ماہ صفر کی دسویں تاریخ کو مکہ معظمہ میں میں نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا کہ وہ میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ مجھے یہ قلم عطا فرمائیں اور فرمایا کہ یہ میرے نانا رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔ اس کے بعد آپ نے قدرے توقف کیا اور فرمانے لگے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ حسینؓ اس قلم کو ٹھیک کر دیں کیونکہ اب یہ قلم ویسا نہیں ہے جیسا کہ پہلے تھا...... چنانچہ حضرت حسینؓ نے ان سے یہ قلم لیا اور اسے ٹھیک کر کے مجھے عطا فرمایا۔ مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی۔ اس کے بعد ایک چادر لائی گئی جس میں سبز اور سفید رنگ کی دھاریاں تھیں یہ چادر حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کے سامنے رکھی گئی۔ حضرت حسینؓ نے یہ چادر اٹھائی اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ ﷺ کی ہے اس کے بعد آپؓ نے یہ چادر مجھے اوڑھائی اور میں نے تعظیم واحترام کے خیال سے اوڑھنے کے بجائے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اس نعمت کے شکرانے میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے لگا۔ اس کے بعد یکبارگی میری آنکھ کھل گئی۔"

(فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ صفحہ 99-100)

زیارت رسول مقبولؐ

مکہ مکرمہ کے بعد جب آپ مدینہ منورہ میں روضۂ رسول ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس کو ظاہر اور عیاں دیکھا۔ چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں:

"عالم ارواح میں نہیں بلکہ عالم محسوسات سے قریب جو عالم مثال ہے، میں نے اس میں آپؐ کی روح کو دیکھا۔"

(فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ صفحہ 101)

حقیقت محمدیہ اور بروز

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے دسویں مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مدینہ منورہ میں پہنچنے کے تیسرے دن بعد پھر میں روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سلام کیا اور میں نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو فیضان فرمایا تھا اس سے مجھے بھی مستفید فرمایئے......میں نے اتنا عرض کیا تھا کہ آپؐ حالت انبساط میں میری طرف اس طرح ملتفت ہوئے کہ میں یوں سمجھا کہ گویا آپؐ نے اپنی چادر میں مجھے لے لیا ہے اس کے بعد آپؐ نے مجھے اپنے ساتھ لگا کر خوب بھینچا اور آپؐ میرے سامنے رونما ہوئے اور مجھے اسرار و رموز سے آگاہ فرمایا اور نیز خود اپنی ذات اقدس کی حقیقت مجھے بتائی ......اس سلسلہ میں میں نے نبی علیہ الصلوۃ والتسلیمات کو دیکھا کہ آپؐ اپنے جوہر روح، اپنی طبیعت، اپنی فطرت اور جبلت میں سر تا سر مظہر بن گئے ہیں اس عظیم الشان تدلّی کا، جو کہ تمام بنی نوع بشر پر حاوی ہے اور میں نے دیکھا کہ اس حالت میں یہ پہچاننا مشکل ہو گیا ہے کہ ظاہر اور مظہر یعنی ظاہر ہونے والی چیز اور جس چیز میں کہ اس کا اظہار ہو رہا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ یہی وہ تدلّی ہے جسے صوفیاء نے ”حقیقت محمدیہ“ کا نام دیا ہے اور اس کو وہ ”قطب الاقطاب“ اور ”نبی الانبیاء“ کا بھی نام دیتے ہیں...... حقیقت محمدیہ کے اس بروز کو قطب یا نبی کا نام دیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی شخص لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتا ہے تو حقیقت محمدیہ کا اس شخص کی ذات کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے۔“

(فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ، اردو ترجمہ صفحہ 119-120)

مقام مجددیت پر سرفراز ہونا

مدینہ منورہ میں روضۂ رسولؐ کی زیارت کے دوران ہی نبی کریم ﷺ نے آپؒ کو مقام مجددیت پر فائز فرمایا۔ چنانچہ آپؒ تحریر فرماتے ہیں:

”اس مجلس میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے اپنی اجمالی مدد سے سرفراز فرمایا اور یہ اجمالی مدد عبارت تھی، مقام مجددیت، وصایت اور قطبیت ارشادیہ سے، یعنی آپؐ نے مجھے ان مناصب سے نوازا اور نیز مجھے شرف قبولیت عطا فرمایا اور امامت بخشی اور تصوف میں میرا جو مسلک ہے اور فقہ میں میرا جو مذہب ہے، ہر دو کو اصل اور فرع دونوں اعتبار سے راہ راست پر بتایا۔“

(فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ، اردو ترجمہ صفحہ 129)

وطن واپسی

حصول اسناد حدیث اور استفاض صوفیاء کے بعد 1145ھ کے آغاز میں آپ وطن واپس آ گئے اور مدرسہ رحیمیہ میں دوبارہ درس کا آغاز فرمایا۔ اور سینکڑوں طلباء کو مستفیض کیا۔

شاگرد، مرید اور جانشین

یوں تو آپ کے شاگردوں کی تعداد کافی زیادہ ہے لیکن یہاں چند معروف شاگردوں، مریدوں اور جانشینوں کا ذکر درج کیا جاتا ہے: شیخ آفندی ابراہیم، امین اللہ نگرنہوی، شیخ اہل اللہ شاہ، شیخ بدرالحق پھلتی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جاراللہ بن عبد الرحیم لاہوری، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، چراغ محمد، سید جمال الدین رامپوری، حسنی شاہ، خیر الدین سورتی، داؤد میاں، حافظ عبد النبی، نواب رفیع الدین خاں مراد آبادی، محمد امین، محمد بن ابی الفتح بلگرامی، فضل اللہ کشمیری، محمد سعید دہلوی، محمد عاشق شاہ پھلتی، محمد معین ٹھٹھوی، قمر الدین سونی پتی منت، مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب تاج العروس وغیرہ

تجدیدی کارنامے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے زوال پذیر مغلیہ حکومت کے دس بادشاہوں کا دور حکومت اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سیاسی انتشار، مذہبی بیزاری، منافقانہ روش، خام خیالی، ذہنی و فکری پسماندگی وغیرہ جیسی خامیاں اس زمانہ میں مسلمانوں میں سرایت کر چکی تھیں۔ طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ علمائے سوء نے دین پر اجارہ داری قائم کی ہوئی تھی۔ پیر پرستی اور نام نہاد صوفیاء کے غلط متصوفانہ طریقوں نے مسلمانوں کو اپنے جال میں جکڑا ہوا تھا۔ غرضیکہ اس دور کے مسلمان دینی و علمی و سیاسی پراگندگی کا شکار تھے۔

ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عوام الناس کے اصلاح احوال کی کوشش کی۔ دینی و مذہبی لحاظ سے آپ نے علماء کو فروعات میں الجھنے کی بجائے قرآن و سنت اور حدیث پر عمل کی دعوت دی اور لوگوں کو بھی اسی کی ترغیب دلائی۔ صوفیاء کو اسلامی تصوف کے مطابق راہ اعتدال اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ عوام میں مقلد اور غیر مقلد کی وضاحت کر کے یہ بحث ختم کرنے کی کوشش کی۔ نسخ قرآن کا مسئلہ حل کرنے کی سعی فرمائی۔ فرقہ بندی جو کہ اس دور میں بھی امت مسلمہ کے لیے

ایک نہایت خطرناک بات تھی اس کو رفع کرنے کی مختلف تدابیر کیں اور اس کی درمیانی راہ بتلائی۔ اس ضمن میں آپ نے ایک کتاب" ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء "بھی تحریر کی۔ بدعات ورسومات کا قلع قمع کی طرف توجہ دلائی اور عقائد کی اصلاح کی۔ بیوہ سے شادی نہ کرنے کی رسم، سوگ، قل خوانی، ختم، چہلم وغیرہ جیسی رسومات کو ختم کرکے قرآن وسنت پر عمل کرنے کی طرف لوگوں کو بلایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"ہندوستان کی یہ کیفیت تھی، جب اسلام کا وہ اختر تاباں نمودار ہوا جس کو دنیا شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام سے جانتی ہے۔ مغلیہ سلطنت کا آفتاب لبِ بام تھا۔ مسلمانوں میں رسوم وبدعات کا زور تھا۔ جھوٹے فقراء اور مشائخ جابجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے۔ مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق وحکمت کے ہنگاموں سے پُر شور تھا۔ فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی۔ مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق سب سے بڑا جرم تھا۔ عوام تو عوام، خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔ شاہ صاحب کا وجود اس عہد میں اہل ہند کے لئے موہبت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ تھا۔" (مقالات سلیمان جلد2 صفحہ 42)

جہاں تک علمی خدمات کا تعلق ہے تو حضرت شاہ صاحب موصوف نے درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے ذریعے دعوت و تبلیغ و اشاعتِ دین کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنی تصانیف سے امت مسلمہ کو سوچ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ انہیں دینی و علمی و سیاسی مسائل سے آگاہ کیا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا تاکہ مسلمان اسے پڑھ کر اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں تاکہ ان کی ایمانی و روحانی اور دینی و مذہبی حالت میں بہتری ہو۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں میں شعور پیدا کیا اور مرہٹوں کی حکومت کو مسلمانوں پر مسلط ہونے سے بچایا۔

برصغیر کے نامور علامہ فضل حق خیر آبادی کہتے ہیں:

"اس کتاب (ازالۃ الخفاء) کا مصنف ایسا بحر ذخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔"

(شاہ ولی اللہؒ از محمد اکرام چغتائی صفحہ 619)

مفتی عنائیت کا کوروی آپ کے متعلق یہ تحریر کرتے ہیں کہ

”شاہ ولی اللہ ایک ایسا شجر طوبیٰ ہیں جس کی جڑیں تو اپنی جگہ قائم ہیں اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔“

(نزہۃ الخواطر از حکیم محمد عبد الحئی جلد 2 صفحہ 406)

حضرت شاہ صاحب کی سیاسی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ آپ نے مسلمان حکمرانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور دشمنوں کے غلبہ سے بچنے کے لیے مشوروں پر مشتمل خطوط لکھے۔ آپ نے عہدیداروں کے تقرر کے لیے متقی اور نیک مسلمانوں کے نام بھی تجویز کیے۔ اور مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی اور نجیب الدولہ کو متحد کیا جس کی وجہ سے پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

”ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا۔ اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا۔ شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔“

(علم الکلام از شبلی نعمانی جلد 1 صفحہ 87 مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی)

وفات

حضرت شاہ صاحبؒ 29 محرم 1176ھ مطابق 20 اگست 1762ء بروز جمعۃ المبارک کو اکسٹھ سال چار ماہ کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور شاہ جہان آباد کی جنوبی جانب پرانی دلی میں واقع مہندیان قبرستان میں دفن کیے گئے۔

ازواج واولاد

حضرت شاہ صاحب نے دو شادیاں کیں۔ آپؒ کی پہلی شادی چودہ سال کی عمر میں آپ کے ماموں شیخ عبداللہ پھلتی کی صاحبزادی سے ہوئی جو شاہ محمد عاشق کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ شیخ محمد اور ایک صاحبزادی امتہ العزیز پیدا ہوئیں۔

دوسری شادی 1157ھ میں مولوی سید حامد سونی پتی کی صاحبزادی سے ہوئی جن کے بطن سے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے۔

اخلاق فاضلہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بچپن سے ہی اخلاق کریمانہ کے مالک تھے۔ عام بچوں کی طرح ضد نہ کرتے اور نہ گھر سے باہر جاکر وقت کا ضیاع کرتے۔ بڑی عمر والوں سے نظریں جھکا کر بات کرتے۔ انتہائی سادہ مزاج تھے کبھی کوئی خواہش زبان پر نہ لاتے۔ جو مل گیا اسی پر اکتفا کرتے۔ یہی حال زمانہ شباب کا تھا۔ شریفانہ اطوار کے مالک تھے اور مہذبانہ روش کے حامل۔ بناوٹ و چاپلوسی سے احتراز برتتے۔ ایام کہولت میں بھی عجز وانکسار کا پیکر رہے۔ رعونت و تکبر سے اجتناب فرماتے۔ کبھی اپنی علمیت پر نہ اترائے۔ متقیانہ، اطاعت الٰہیٰ واطاعت رسولؐ میں زندگی بسر کی۔

علمی مقام ومرتبہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایک متبحر عالم باعمل انسان تھے۔ آپ مفسر قرآن بھی تھے اور شارح حدیث بھی۔ فقیہ امت بھی تھے اور متکلم اسلام بھی۔ امام تصوف بھی تھے اور معلم اخلاق بھی۔ فلسفہ شریعت کو جاننے والے اور منطق کے رموز سے آگاہ تھے۔ ماہر اقتصادیات بھی تھے اور واقف معاشیات بھی۔ اس کے ساتھ آپ امور سلطنت اور طریق سیاست میں بھی طاق تھے۔ غرضیکہ آپ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اور ان تمام شعبوں میں آپ نے تصانیف بھی تحریر فرمائی تھیں۔

تصانیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جہاں درس وتدریس سے امحائے بدعات کی سعی کی وہاں بدرسومات اور شرک و پیرپرستی کے خلاف قلمی جہاد کیا اور مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیم کی طرف توجہ

دلا کر اصلاح نفس کی ترغیب دلائی۔ آپ نے مختلف علوم کے متعلق عربی، فارسی زبان میں متعدد تصانیف تحریر کیں جو ضرورت زمانہ کے لحاظ سے مفید عام ہیں۔ حافظ ابراہیم سیالکوٹی کے نزدیک ان تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ آپ کی معروف تصنیفات کے نام یہ ہیں:

فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن، فوزالکبیر شرح فتح الکبیر، فتح الخبیر، مصفٰی شرح موطا، مسوی شرح موطا، حجۃ اللہ البالغہ، انصاف فی بیان سبب الاختلاف، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قرۃ العینین فی تفضیل الحسنین، فیوض الحرمین، الدرالثمین فی المبشرات نبی الکریم، تاویل الاحادیث، انفاس العارفین، چہل احادیث، ھمعات، لمعات، خیرکثیر، تفہیمات الھیہ وغیرہ

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

سلکنی رسول اللہ ﷺ و ربانی بیدہ فانا اویسیہ

و تلمیذہ بلا واسطہ بینی و بینہ

مجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم نے سلوک کی راہوں پر چلایا ہے اور اپنے ہاتھ سے میری پرورش کی ہے۔ پس میں آپ کا شاگرد اور بمنزلہ اویس ہوں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے

(فیوض الحرمین صفحہ 44)

تیرہویں صدی کے مجدد

حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ

شبیہ حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ

مرقد حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ

تبرکات حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ

حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ

نام و نسب

آپ کا نام سید احمد تھا۔ آپ کے والد محترم سید محمد عرفان تھے۔ آپ سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضیٰؓ سے جاملتا ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

سید احمد بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید محمد ہدی بن سید علیم اللہ نقشبندی بن سید محمد فضیل بن سید محمد معظم بن سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاء الدین بن قطب الدین ثانی بن سید صدر الدین بن سید زیان العابدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن سید رکن الدین بن سید نظام الدین بن سید قطب الدین کرمی بن سید احمد مدنی بن سید یوسف بن سید عیسیٰ بن سید حسن بن سید حسین بن سید جعفر بن سید قاسم بن سید عبد اللہ بن سید عبد اللہ بن سید محمد ثانی بن سید عبد اللہ الاشتر بن سید محمد صاحب النفس الذکی بن سید عبد اللہ محض بن سید حسن مثنیٰ بن سید حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(مخزن احمدی فارسی از مولوی سید محمد علی صفحہ 12)

سید حسن مثنیٰؒ کی شادی حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے ہوئی اسی مناسبت سے کہ خاندان حسنی و حسینی کہلاتا ہے۔

قبل از ولادت بشارت

حضرت سید احمد صاحب کی والدہ محترمہ نے دوران حمل خواب میں دیکھا کہ ان کے خون سے ایک کاغذ لکھا گیا ہے جو تمام عالم میں اڑتا پھرتا ہے۔ اس پر وہ مشوش ہوئیں۔ یہ خواب سید عبد السبحان نے بھی سنا تو وہ بولے:

تشویش کی ضرورت نہیں۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے پیٹ میں ہے وہ دنیا میں بہت نامور ہوگا۔

(سید احمد شہید از مولوی غلام رسول مہر صفحہ 60 حاشیہ)

ولادت باسعادت

حضرت سید احمد صاحبؒ کی ولادت 6 صفر 1201ھ مطابق 29 نومبر 1786ء کو قصبہ رائے بریلی سرکار ضلع مانک پور صوبہ الہ آباد میں ہوئی۔

(مخزن احمدی صفحہ 12، سید احمد شہید صفحہ 60)

تعلیم

سید صاحب موصوف کی عمر جب چار سال چار ماہ چار دن ہوئی تو شرفائے ہند کے دستور کے مطابق آپ کے والد محترم نے آپ کو مکتب میں معلم کے سپرد کر دیا۔ لیکن سید صاحب کی طبیعت دوسرے بچوں کی طرح استاد سے کچھ سیکھنے کی طرف راغب نہ ہوئی اور نہ ہی آپ پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ کر پائے۔

اساتذہ نے آپ کو پڑھانے کی بہت کوشش کی لیکن بارآور نہ ہوئی۔ تین سال مکتب میں گزرنے پر استاد کی پوری توجہ اور ہزار ہا کوششوں کے باوجود قرآن مجید کی صرف چند سورتیں ہی یاد ہو سکیں اور مفرد و مرکب الفاظ لکھنا سیکھ سکے۔ آپ کے بڑے بھائی سید ابراہیم و سید اسحاق صاحب آپ کو تحصیل تعلیم اور پڑھنے لکھنے کی بہت تاکید کرتے تھے۔ والد ماجد محمد عرفان نے فرمایا کہ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو، وہ اُن کے حق میں جو بہتر اور اولیٰ سمجھے گا، ظاہر کر دے گا۔ تاکید ظاہری مفید نہیں۔

(مخزن احمدی صفحہ 12)

تاہم آپ فارسی کے ساتھ عربی زبان بھی سیکھ گئے اور مشکوٰۃ کا مطالعہ خود کر لیتے تھے۔ مولوی عبد القیوم کا بیان ہے کہ تحصیل علم کے دوران حضرت سید صاحب کو کتاب پر حروف نظر نہ آتے۔ اطباء سے رابطہ کیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ شاہ عبد العزیزؒ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظریں جماؤ کیا وہ بھی نظروں سے غائب ہوتی ہیں؟ لیکن تمام باریک چیزیں آپ کو نظر آتیں جس پر شاہ عبد العزیزؒ نے فرمایا:

معلوم ہوتا ہے کہ علم ظاہری ان کی قسمت میں نہیں۔ ان کو تعلّم سے پڑھنا نہیں آئے گا بلکہ علم لدنی حاصل ہو گا۔ (سید احمد شہید صفحہ 62)

پس آپ کی ظاہری تعلیم تو اس قدر نہ تھی لیکن شرعی امور اور اوامر و نواہی کا بخوبی علم رکھتے تھے۔ عربی و فارسی کے ساتھ آیات و احادیث کے معارف بھی جانتے تھے۔

مشاغل

سید احمد صاحبؒ کو بچپن میں کھیل کا بہت شوق تھا۔ آپ کبڈی کے شوقین تھے اور لڑکوں کو دو جتھوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے قلعے پر حملہ کرتا اور فتح کرتا۔ اس طرح نادانستہ آپ کی جسمانی و فوجی تربیت ہوتی رہی۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ از ابوالحسن علی ندوی جلد اول صفحہ 110)

آپ کے بھانجے سید عبد الرحمٰن سپہ سالار افواج نواب وزیر الدولہ بیان کرتے ہیں:

آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے، میں بچہ تھا، آپ کے بدن پر مٹی ملتا، یہاں تک کہ خشک ہو کر جھڑ جاتی، پیروں پر مجھے کھڑا کر کے پانسو ڈنڑ لگاتے، پھر کچھ ٹھہر کر پانسو اور من بھر، بیس اور تیس سیر کے مگدر ہلاتے تھے، ان میں تعداد کا خیال نہیں تھا بلکہ وقت کا اندازہ تھا مثلاً دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول صفحہ 113)

آپ ایک ماہر تیراک اور غوطہ خور بھی تھے۔

عنفوان شباب

سن بلوغت کو پہنچے تو حضرت سید احمد صاحبؒ کو خدمت خلق کا شوق پیدا ہوا کہ خلق عیال اللہ ہے اس لیے ان کی خدمت سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ نے بلا تخصیص امیر و غریب بچوں، ناتوانوں اور یتیموں وغیرہ کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ اور اس قدر کام کیا کہ بزرگان اور خدا پرست لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ آپ صبح شام غرباء خصوصاً بیوگان کے گھروں پر تشریف لے جاتے اور ان کا حال دریافت کرتے اور کہتے:

اگر ایندھن، پانی، آگ وغیرہ کی ضرورت ہو تو بے تکلف بتائیں کہ میں لا دوں گا؟

اہل محلہ ہمسائیگان اور قرب وجوار کے لوگ آپ اور آپ کے بزرگوں کے مرید اور خادم تھے۔ باوجود اس کے کہ انہیں حاجت بھی ہوتی لیکن وہ ان باتوں کو معیوب سمجھتے اور کہتے کہ یہ امر معکوس ہے کہ آپ ہماری خدمت کریں جبکہ ہم تو آپ اور آپ کے باپ دادا کے بھی غلام ہیں، ہم کیسے جرأت کرسکتے ہیں کہ آپ سے کوئی کام لیں؟

آپ ان کو خدمت گزاری اور اعانت کی فضیلت اس طرح سناتے کہ وہ زاروقطار روتے اور باصرار ان کی ضرورتیں معلوم کرکے پوری کرتے، بازار سے ان کے لیے سودا لاتے، لکڑی لاد کر اور پانی بھر کر لاتے اور ان کی دعائیں لیتے اور کسی طرح سے اس کام سے سیری نہ ہوتی، عزیزوں، ہمسایوں کے گھروں میں جاکر دیکھتے کہ برتنوں میں پانی ہے، جلانے کے لیے لکڑی ہے یا نہیں، پانی نہ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے بھرتے، لکڑی نہ ہوتی تو جنگل جاکر خود کاٹتے، چادر میں گٹھا باندھ کر سر پر رکھتے اور گھروں میں پہنچادیتے، آپ کے بھائی اور عزیز اس پر چیں بجبیں ہوتے، سخت سست بھی کہتے مگر آپ اس کی پروانہ کرتے اور کام کیے جاتے۔

(مخزن احمدی صفحہ 13)

والدہ محترمہ کا جذبہ قربانی اور آپ کی اطاعت

آپ کی طبیعت سپاہیانہ تھی اور شوق جہاد بھی نمایاں تھا۔ ایک دفعہ رائے بریلی میں ہندو مسلم لڑائی ہوئی تو آپ فوراً گھر پہنچے اور تلوار نکال کر والدہ محترمہ سے اجازت کے لیے کھڑے ہوگئے جو کہ نماز میں مصروف تھیں۔ آپ کی کھلائی نے دیکھ کر باہر جانے سے بہت روکا لیکن آپ نہ مانے اور اپنی والدہ کی اجازت کے منتظر رہے۔ والدہ محترمہ نے سلام پھیر کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ سب سن کر والدہ نے کھلائی سے کہا:

بوا! بے شک تمہیں احمد سے محبت ہے مگر میرے برابر نہیں ہوسکتی۔ میرا حق تمہارے حق پر فائق ہے۔ یہ روکنے کا کون سا موقع ہے؟ انہیں جانے دو۔

پھر گوشۂ جگر کو فرمایا:

جلدی جاؤ لیکن دیکھنا، مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ عمر بھر تمہاری صورت نہ دیکھوں گی۔

سید صاحب موصوف وہاں پہنچے لیکن لڑائی تک نوبت نہ پہنچی۔ بات چیت سے ہی معاملات طے ہو گئے اور عافیت رہی۔

(سید احمد شہیدؒ صفحہ 65)

لکھنؤ کا سفر

حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ نے اپنے والد محترم کے انتقال کے بعد 1219ھ میں حصول معاش کی خاطر لکھنؤ کا سفر اختیار کیا۔ رائے بریلی سے لکھنؤ کی مسافت قریباً انچاس میل تھی۔ آپ کے ساتھ سات عزیز رشتہ دار بھی تھے اور سواری صرف ایک۔ چنانچہ سب باری باری سوار ہوتے۔ جب آپ کی باری آتی تو آپ کسی اور کو سوار کرا دیتے۔ نصف راستہ تک پہنچتے سب تھک ہار کر بیٹھ گئے کیونکہ ہر ایک کا سامان بھی اس کے ساتھ تھا۔ چنانچہ کسی مزدور کی تلاش شروع کی لیکن کوئی نہ مل پایا۔ حضرت سید صاحبؒ نے نہایت عاجزی سے سب سے درخواست کی کہ وہ اپنا سامان ایک کمبل میں باندھ دیں وہ اسے اٹھالیں گے۔ چنانچہ سب نے مجبوراً اپنا سامان آپ کے سپرد کر دیا اور آپ اکیلے اسے لکھنؤ تک لے آئے۔

(ملخص از تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمد از محمد جعفر تھانیسری از صفحہ 7)

لکھنؤ میں معاشی طور پر حالات سازگار نہ تھے لیکن پھر بھی آپ چار ماہ تک لکھنؤ میں رہے۔ اس دوران اپنے عزیزوں کو کہتے کہ ملازمت کا خیال چھوڑو اور دہلی جا کر سید المحدثین شاہ عبد العزیزؒ سے کسب فیض کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے آپ کی نصیحت پر عمل نہ کیا۔

سفر دہلی

چنانچہ ایک روز آپ چپکے سے دہلی کی طرف عازم سفر ہوئے اور چودہ منزل کا نہایت کٹھن سفر بے سروسامانی کی حالت میں طے کر کے دہلی جا پہنچے۔ دہلی پہنچ کر سب سے پہلے شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ شناسائی نہ ہونے کے سبب شاہ صاحب نے تعارف پوچھا۔ سید ابوسعید کے نواسے اور سید نعمان کے بھتیجے ہونے پر شاہ نے آپ کو پرتپاک استقبال کیا اور فرمایا:

آپ کے خاندان مقدس میں تو منصب ولایت موروثی ہے دو ایک پشت کے بعد ضرور اس خاندان میں مادرزاد ولی پیدا ہوتا ہے اگر فضل الٰہی شامل حال ہے تو آپ بھی بطور وارث اپنے آباء واجداد کے اپنے اپنے مقصد کو پہنچ جائیں گے۔

بعدہ آپ کو قیام کے لیے اپنے بھائی شاہ عبدالقادر کے پاس اکبر آبادی مسجد بھجوادیا۔

(تواریخ عجیبہ صفحہ 9)

شاہ عبدالقادر سے مزید تعلیم

اکبر آبادی مسجد میں سید صاحب نے شاہ عبد القادرؒ سے عربی و فارسی کتب پڑھنا شروع کیں اور ذکر الٰہی اور عبادات میں مشغول رہے اور شاہ صاحب کے دروس میں شامل ہوتے۔

سعید الفطرت

حضرت سید صاحب پاکیزہ اور سعید فطرت کے مالک تھے۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول میں صف اولین میں تھے۔ آپ سنت کی پیروی کرنیوالے تھے۔ لغویات سے احتراز برتتے۔ ایک دفعہ جمنا کے کنارے ہندوؤں کا میلہ لگا ہوا تھا جس میں عورتیں کثیر تعداد میں شامل ہوتی تھیں۔ دوستوں نے اصرار کیا کہ آپ بھی اس میلہ میں جائیں لیکن آپ نے اس لغو کام سے انکار کرتے ہوئے کہا:

مجھ کو اس نامشروع مجمع کی شرکت سے معاف رکھو میں ایسی جگہ ہرگز نہ جاؤں گا۔

آپ کے ان بے تکلف دوستوں نے زبردستی اٹھا کر آپ کو میلے میں لے جانا چاہا لیکن میلے کی جگہ کے قریب پہنچنے پر آپ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ جسے دیکھ کر دوست ڈر کر آپ کو واپس دہلی چھوڑ آئے۔

اسی طرح آپ کسی مجلس میں تشریف لے گئے جہاں اچانک مزامیر و غنا شروع کر دیا گیا جس پر آپ بے ہوش ہوگئے۔

(تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی صفحہ 15،16)

شاہ عبد العزیزؒ کی بیعت

1222ھ میں سید صاحب نے شاہ عبد العزیزؒ کی بیعت کرلی اور آپ اس وقت کے رائج تصوف کے طرق ثلاثہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ میں داخل ہوگئے پس پہلے دن لطیفہ اول یعنی ذکر و قلب کی تعلیم ہوئی، دوسرے دن باقی لطائف یعنی لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ نفس کا ذکر سکھایا گیا۔ تیسرے جلسہ میں سلطان الاذکار اور چوتھے جلسے میں ذکر نفی و اثبات بتایا گیا پھر شغل برزخ کا حکم ہوا جس میں صورت شیخ کا تصور صوفیہ میں مروج تھا۔ تصور صورت شیخ کا حکم سن کر سید صاحب نے پوچھا:

اس شغل اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ شاہ عبد العزیزؒ نے حافظ کا یہ مشہور شعر پڑھ کر سنایا:

بہ مے سجادہ رنگیں کن، گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

اس پر سید صاحب نے مکرر عرض کیا:

مجھے تو تصور شیخ محض بت پرستی ہی محسوس ہوتی ہے۔ شرک تو دور کی بات ہے اگر قرآن و سنت یا حدیث سے کوئی سند بتائیں تو یہ خدشہ دور ہوکر اطمینان ہو جائے گا کہ دونوں ایک چیز نہیں۔

شاہ صاحب نے یہ بات سن کر آپ سے معانقہ کیا اور بوسہ دے کر فرمایا:

خدائے برتر نے اپنے فضل و رحمت سے تجھے ولایت انبیاء عطا فرمائی ہے۔

(سید احمد شہیدؒ صفحہ 80)

ولایت انبیاء اور ولایت اولیاء میں فرق

سید صاحبؒ نے شاہ صاحب سے ولایت انبیاء اور ولایت اولیاء کے بارہ میں وضاحت کے متعلق عرض کیا تو شاہ عبد العزیزؒ نے فرمایا:

ولایت اولیاء یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو ولایت اولیاء سے نوازتا ہے وہ دن رات مجاہدات و مراقبات، صوم و صلوۃ اور کثرت نوافل میں مشغول رہتا ہے اور خلوت نشین ہوکر خدا تعالیٰ کی عبادت لگا رہتا ہے وہ جلوت پسند نہیں کرتا۔ اسے بدکرداروں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اصطلاح صوفیاء میں اسے قرب بالنوافل کہا جاتا ہے۔ ولایت انبیاء کا حامل شخص محبت الٰہی سے پُر ہوتا ہے اور ماسوا کی کوئی اہمیت

اس کے لیے نہیں رہتی۔ اور وہ خدا کی مخلوق کو راہ راست پر لانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے اور کسی لومتہ لائم کی پرواہ نہیں کرتا اور اشاعت توحید اور احیائے سنت نبویؐ کے لیے بلا جھجک ہر ممکن کوشش کرتا رہتا ہے۔ بوقت ضرورت اس راہ میں مال و جان کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ وہ لوگوں میں ہر محفل اور مجلس میں وعظ و نصیحت کرتا ہے اور مصائب پر صبر کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اسے اصطلاح صوفیاء میں قرب بالفرائض کہتے ہیں۔

(ملخص از تواریخ عجیبہ صفحہ 11-12 و سید احمد شہیدؒ)

رؤیت الٰہی

ایک شب خواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت خاص سے حضرت سید احمد بریلویؒ کا ہاتھ پکڑ کر ایک چیز امور قدسیہ سے جو نہایت رفیع اور بدیع تھی آپ کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ تجھ کو یہ چیز اب عنائیت ہوئی ہے اور اس کے سوا اور بہت سی چیزیں تجھ کو عطا فرمادیں گے۔

(تواریخ عجیبہ صفحہ 14)

زیارت رسولؐ

حضرت سید صاحب نے ریاضات و مجاہدات کرنی شروع کر دیں۔ ساری ساری رات عبادت کرتے رہتے۔ آپ کی عبادات کا یہ حال تھا کہ قیام لیل سے پاؤں ورم ہو کر خون جاری ہو جاتا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر شاہ عبد القادر فرمایا کرتے تھے:

اس بزرگ کے احوال سے آثار کمال ظاہر ہوتے ہیں۔

(تواریخ عجیبہ صفحہ 13)

21 رمضان المبارک کو آپ نے حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے پوچھا:

لیلتہ القدر کونسی ہو گی؟

مقصد یہ تھا کہ اس رات عبادت کا خاص اہتمام کریں۔ شاہ صاحب نے فرمایا:

شب بیداری کا معمول جاری رکھیں۔ لیکن محض جاگتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو۔

چنانچہ آپ ساری ساری رات جاگ کر عبادات کرتے رہے۔ 27 رمضان المبارک کو نماز عشاء کے بعد آپ پر نیند ایسی غالب آئی کہ دو چار رکعات ادا کرنے کے بعد آنکھ لگ گئی۔ رات کے آخری پہر کسی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اچانک اٹھا دیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دائیں اور بائیں تشریف فرماہیں اور فرمارہے ہیں: اے احمد! جلد اٹھ اور غسل کر۔

آپ نے فوراً اٹھ کر یخ بستہ پانی سے غسل کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے فرزند! آج شب قدر ہے، تو یادالٰہی میں مشغول ہو جا اور دعا اور مناجات کرتا رہ۔

اس تلقین کے بعد دونوں تشریف لے گئے۔ صاحب مخزن لکھتے ہیں کہ آپ اکثر فرماتے:

اس رات مجھ پر افضال الٰہی کی عجیب بارش ہوئی اور حیرت انگیز واردات اور واقعات غریب میرے دیکھنے میں آئے کہ تمام اشجار و احجار بھی بارگاہ ایزدی میں سربسجود نظر آتے تھے۔ اور اس طریق پر تسبیح و تہلیل کررہے تھے کہ اسے معرض بیان میں لانا مشکل ہے۔ صبح کی اذان تک یہی کیفیت رہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ عالم غیب کا معاملہ تھا یا عالم شہادت کا۔

(سید احمد شہید صفحہ 81-82، تواریخ عجیبہ صفحہ 13)

ایک دفعہ ایک رؤیا میں رسول اللہ ﷺ نے تین چھوارے سید صاحب کے منہ میں اپنے دستے مبارک سے ایک ایک کر کے رکھ کر پیار اور محبت سے کھلائے جب آپ بیدار ہوئے تو ان چھوہاروں کی شیرینی آپ کو محسوس ہوئی۔

(تواریخ عجیبہ صفحہ 14)

زیارت اہل بیتؓ

حضرت سید احمد بریلویؒ نے ایک دفعہ خواب میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی بھی زیارت کی۔ حضرت علیؓ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو نہلایا اور حضرت فاطمہؓ نے ایک لباس فاخرہ اپنے ہاتھ سے آپ کو پہنایا۔

(تواریخ عجیبہ صفحہ 14)

دہلی سے رائے بریلی

1223ھ کے اوائل میں آپ مراتب سلوک طے کرنے کے بعد رائے بریلی واپس آ گئے اور اپنی مسجد میں مقیم ہوگئے۔ آپ کو چار پانچ سال بعد فقیرانہ لباس میں دیکھ کر عزیز رشتہ داروں نے مشکل سے پہچانا۔ اہل خاندان اور والدہ یہ حال دیکھ کر بہت غمگین ہوئیں۔

شادی

سید صاحب کی نسبت تو بہت پہلے طے کر دی گئی تھی لیکن جب آپ اس حال میں وطن واپس آئے تو لڑکی والے شادی کرنے سے کچھ متأمل ہوئے لیکن خاندان والوں کے سمجھانے پر رضامند ہو گئے اور یوں سید صاحب کی شادی 1223ھ میں نصیر آباد کے سید محمد روشن صاحب کی صاحبزادی سیدہ زہرہ سے ہوئی۔ 1224ھ میں ان سے ایک بیٹی سیدہ سارہ کی ولادت ہوئی۔

نواب امیر خاں کی مصاحبت

1226ھ میں سید صاحب حکم الٰہی کے تحت دہلی سے ہوتے ہوئے راجپوتانہ پہنچ کر نواب امیر خاں کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ (مخزن صفحہ 32) کچھ ہی عرصہ میں آپ کی شناسائی نواب صاحب سے ہوگئی اور وہ آپ کی صلاحیتوں کے معترف ہوگئے اور اہم معاملات میں آپ کے مشورے لینے لگے۔ لشکر میں اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ نواب صاحب کے پاس چھ سالہ قیام کے دوران آپ نے مختلف مہمات میں بھی شرکت کی۔ قلعہ دھمکولہ کے محاصرہ کے وقت وہاں موجود تھے۔ پھر نواب صاحب کے ساتھ جے پور کی جنگ میں شرکت کی۔ مادھوراج پوری کے محاصرہ میں ایک گولہ سید صاحب کے بالکل پاس گرا کہ لوگوں نے سمجھا کہ آپ کو لگ گیا ہے لیکن اللہ کے فضل سے آپ محفوظ رہے۔ اسی محاصرے میں ایک گولی آپ کی پنڈلی میں لگی جس کا زخم کئی روز علاج کے بعد مندمل ہوا۔

نواب صاحب سے علیحدگی

انگریز ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے اپنی مختلف تدابیر سے راجستھان کی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملاتے جا رہے تھے۔ نواب امیر خاں کی فوج میں بھی انگریزوں نے بعض سرداروں کو لالچ دے کر پھوٹ ڈال دی۔ یوں امیر خان کی فوج دو حصوں میں بٹ گئی۔ نواب صاحب نے اپنی عافیت اسی میں

جانی کہ انگریزوں سے مصالحت کر لی جائے۔ لیکن سید صاحب نے اس کی مخالفت کی۔ جب نواب امیر خاں کی انگریزوں سے مصالحت ہو گئی تو آپ نواب صاحب سے علیحدہ ہو گئے۔

تیسرا سفر دہلی اور سلسلہ بیعت کا آغاز

نواب صاحب سے علیحدگی کے بعد حضرت سید احمد بریلویؒ 1332ھ میں دہلی آ گئے اور شاہ عبد العزیز سے ملاقات کے بعد مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہو گئے۔ شاہ عبد العزیزؒ ہر طالب حق کو آپ کے پاس بھجوادیا کرتے۔ جیسے ملا بخاری وغیرہ۔ دہلی میں ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا کہ شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے مولوی محمد یوسف پھلتی نے آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد مولوی عبد الحئ اور شاہ اسماعیل نے بھی آپ کی بیعت کی۔ ان علماء کی بیعت سے آپ کے نام کی شہرت ہوئی اور دور دراز سے لوگ آپ کی بیعت کے لیے آنے لگے۔ حضرت سید صاحب نے دہلی میں اصلاح وارشاد اور ہدایت کا کام شروع کر دیا تھا اور اسی طرف آپ کی سب سے زیادہ توجہ تھی۔ بیعت کے بعد مخلصین کی جماعت آپ کے پاس جمع ہو گئی جن میں سے اکثر ہر وقت آپ کے پاس رہتے تھے۔

اصلاح وارشاد کی خاطر دورہ جات

حضرت سید صاحبؒ نے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے دریائے گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقے یعنی دوآبے کا دورہ کیا۔ دورہ کا آغاز محرم 1234ھ کو کیا جو چھ ماہ میں مکمل ہوا جس میں آپ کے ساتھ بیس رفقاء شامل تھے۔ اس دورہ میں آپ نے بیسیوں مقامات میں اصلاح وارشاد کا کام کیا۔ جن میں سے معروف یہ ہیں: میرٹھ، دیوبند، مظفر نگر، سہارنپور، گنگوہ، پھلت، مراد نگر، غازی الدین نگر، بھون، بڑھانہ، شیر کوٹ، نگینہ، شکارپور، چل کانہ، بھڑسور، کاندھلہ، رام پور لہاری، سردھنہ وغیرہ۔

اس دورہ میں آپ جن مقامات پر جاتے تبلیغی و اشاعت دین اور اصلاح عقائد کے ساتھ ترویج سنت اور امحائے بدعات و رسومات کی تلقین کرتے۔ ہر جگہ وعظ فرماتے جن میں اسلامی احکام بیان کیے جاتے تھے۔ آپ نے ان تمام رسومات کے خلاف جہاد کیا جو مسلمانوں میں ایک عرصہ سے غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہوئے سرایت کر گئی تھیں۔ اس طویل دورہ کے بعد آپ نے رائے بریلی، غازی آباد،

سلون، الہ آباد، بنارس، لکھنو اور کانپور وغیرہ کے دورہ جات بھی کیے۔ آپ کے ان دورہ جات نے نہ صرف مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کی بلکہ ان میں جذبہ جہاد بھی پھونک دیا۔

طریقہ محمدیہ

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں تصوف کے صرف تین طریقے قادری، چشتی اور نقشبندی رائج تھے۔ نقشبندی طریقہ کا ایک سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے انتشاب کے باعث طریقہ مجددیہ کہلاتا تھا۔ سید صاحب ان طرق ثلاثہ کے علاوہ طریقہ محمدیہ پر بیعت لیتے تھے۔ آپ نے طریقہ محمدیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

طریقہ محمدیہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام صرف رضائے رب العالمین کے لیے کیا جائے...... ہر فرد ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین کا عملی نمونہ بن جائے۔

(سید احمد شہیدؒ صفحہ 131)

السلام علیکم کی سنت کی ترویج

حضرت سید احمد صاحبؒ جب پہلی دفعہ دہلی آئے اور شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سنت نبویؐ کے مطابق السلام علیکم کہا۔ جو شاہ عبد العزیزؒ کو بہت پسند آیا اور آپؒ نے فرمایا کہ آئندہ سے اسی طریق پر سلام کہی جائے۔ جبکہ اس سے پہلے ہندوستان میں یہ طریق بھلا دیا گیا تھا اور تسلیمات عرض کرنے کا رواج تھا۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول صفحہ 120)

نکاح بیوگان اور نکاح ثانی

سید احمد صاحب نے احیائے سنت کی ترویج میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس ضمن میں جو اہم کارنامے سرانجام دیئے ان میں سے ایک نکاح بیوگان تھا جس کا آغاز آپ نے اپنے گھر کی بیوگان کے نکاح سے کیا اور اس ہندوانہ رسم کا قلع قمع کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے برادر سید اسحاق صاحب کی بیوہ سیدہ ولیہ سے کیا۔ اور نکاح کی شیرینی ان کے ہاتھ سے تقسیم کروائی تا کہ سب کو باور کروائیں کہ یہ عمر سنت نبوی کے عین مطابق اور قابل عزت ہے۔

سید صاحب نے نکاح بیوگان کی تحریک کے بارہ میں مختلف علاقوں میں خطوط ارسال کیے۔ شاہ اسماعیل نے ان خطوط کے مسودے تیار کر کے دہلی، رام پور، پھلت اور دیگر مرکزی مقامات پر ارسال کیے جس کی وجہ سے متعدد علاقوں کے شرفاء نے برضا و رغبت بیوہ خواتین سے نکاح کیے۔

(سید احمد شہیدؒ صفحہ 148)

کھانا ضائع کرنے کی رسم کا خاتمہ

الہ آباد سے کلکتہ تک نو مسلموں میں یہ رسم ابھی تک قائم تھی کہ شادی یا غمی کے موقع پر دیہاتی لوگ پتروں پر کھانا کھلاتے اور شہری مٹی کی رکابیوں پر۔ اور جو کھانا بچتا وہ پھینک دیتے۔ سید صاحب کو اس بدرسم کا پتہ چلا تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ کھانا نعمت الٰہی ہے اسے یوں ضائع کرنا بے ادبی ہے۔

(سید احمد شہیدؒ صفحہ 193)

فرقہ بندی کی مخالفت

آپ کے سسرال نصیر آباد میں پہلے سنیوں کی اکثریت تھی لیکن سید دلدار علی جو شیعہ مجتہد مانے جاتے ہیں ان کی تبلیغ سے اکثر لوگ شیعہ ہو گئے اور نصیر آباد میں شیعہ آبادی کی کثرت ہو گئی اور سنی تھوڑے رہ گئے۔ ایک روز شیعہ اکثریت نے سنیوں کو تنگ کرنے کی ٹھانی اور محرم کی آٹھویں تاریخ کو جلوس نکال کر تبرا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سنیوں نے بھی اپنے عزیز و اقرباء سے مدد طلب کی۔ سید صاحب کو اطلاع ہوئی تو آپ کچھ احباب کے ساتھ نصیر آباد پہنچ گئے اور مختلف مراحل کے بعد بالآخر مصالحت ہوئی جو دیر پا قائم رہی۔

فریضہ حج کی تجدید

سید صاحب کے ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی تھی۔ ان ایام میں علمائے ہند نے بحری سفر میں درپیش خطرات کی وجہ سے فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دے رکھا تھا جس پر سید صاحب سمیت مولوی عبد الحئ اور شاہ اسماعیل کو تحفظات تھے۔ مولوی عبد الحئ اور شاہ اسماعیل نے اس فتویٰ کو کلیتاً رد قرار دے دیا۔ اس پر شاہ عبد العزیزؒ سے اس بارہ میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے بھی اس کی شاہ اسماعیل کی تائید کی۔ لیکن مسلمانوں کو اس بارہ میں ایک عملی مثال کی ضرورت تھی چنانچہ سید صاحب نے

حج کے لیے رخت سفر باندھا تو ہندوستان کے طول و عرض میں یہ بات پھیل گئی اور مسلمانوں میں فتویٰ بابت ساقط حج ہوا میں اُڑ گیا۔ اور چار سو افراد کا قافلہ شوال 1236ھ کو رائے بریلی سے بے سروسامانی کی حالت میں حج کے لیے روانہ ہوا۔

(ملخص از سیرت سید احمد شہیدؒ از ابوالحسن ندوی صفحہ 253 تا 257)

عظیم آباد سے تبت میں تبلیغ کا انتظام

مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے سید صاحب عظیم آباد پہنچے۔ یہاں بھی دیگر مقامات کی طرح متعدد لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ اسی جگہ چھ مردوں اور تین عورتوں پر مشتمل تبتیوں کا ایک قافلہ آپ سے ملا۔ آپ نے انہیں اشاعت توحید اور اتباع سنت اور اجتناب شرک و بدعت کی تلقین کی اور انہیں تبت جا کر بھی انہی باتوں پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تبت میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔

(سید احمد شہیدؒ صفحہ 202)

مکہ معظمہ میں قیام

سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے سید صاحب مع قافلہ 29 شعبان 1237ھ کو مکہ معظمہ داخل ہوئے اور حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ 5 صفر تک پانچ مہینے دوران قیام مکہ آپ نے وہاں کے علماء و صلحاء سے ملاقاتیں کیں۔ پھر مدینہ تشریف لے گئے اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کی۔ سید صاحب تو بیت المقدس جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اہل قافلہ کی وجہ سے نہ جا سکے۔

(ملخص از سیرت سید احمد شہیدؒ از ابوالحسن ندوی صفحہ 363)

مراجعت

مدینہ منورہ میں سردی کی شدت کافی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے خواب میں آکر آپ سے فرمایا:

احمد! اب یہاں سے جاؤ تمہارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہے۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ صفحہ 363)

چنانچہ آپ نے حج وداع کر کے واپسی کا سفر شروع کیا اور آخر شعبان 1239ھ کو واطن واپس پہنچے۔

رائے بریلی میں قیام

رائے بریلی میں جمادی الثانی 1241ھ تک ایک سال دس ماہ قیام کے دوران آپ نے مکانوں کی مرمت، مساجد کی تعمیر، دعوت جہاد، تبلیغ وارشاد، علمی وروحانی تربیت رفقاء کے غیر معمولی کام سرانجام دیئے۔

آغاز جہاد

سید صاحب کی ولادت سے قبل ہی ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مغل حکومت کے بعد مسلمانوں کی طوائف الملوکی بھی اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ غیر مسلم اپنی طاقت بڑھاتے چلے جارہے تھے۔ مسلمانوں کی سیاسی ابتری کے ساتھ دینی حالت بھی پسماندگی کا شکار تھی۔ سید صاحب کو سن شعور سے ہی اس بات کا احساس تھا اور انہوں نے اپنی زندگی اسی کام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ چنانچہ وطن واپس آکر جہاد کی تیاریوں میں پہلے سے بڑھ کر مشغول ہو گئے۔

پنجاب میں سکھوں نے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ رنجیت سنگھ کے دور میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کر لی گئی۔ اذانیں بند، ذبیحہ گائے منع کر دیا گیا۔ مساجد کی حرمت کو پامال کر دیا۔ جان، مال وعزت کا کوئی تحفظ نہ رہا تھا۔ ان حالات میں پنجاب میں فوری مدد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سید صاحب نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور سرحد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

سید احمد بریلویؒ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا کیونکہ انگریزوں نے مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ چنانچہ ایک صاحب نے ایک موقع پر آپ سے پوچھا:

آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہیں انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جاوے گا۔

سید صاحب نے جواباً فرمایا:

سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا ہمارے غلبے کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو عبادت لازمی سے روکتی ہے...... ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی سے کس سبب سے جہاد کریں۔ (مخزن احمدی صفحہ 91)

دعویٰ منصب امامت

حضرت سید احمد بریلویؒ نے 12 جمادی الثانی 1242ھ کو منصب امامت پر قائم ہونے کے بارہ میں فرمایا:

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اس فقیر یعنی سید احمد کو پہلے اشارات غیبی و الہامات لاریبی سے اس منصب شریف کی بشارت دی، پھر مومنین صادقین، سادات علمائے عظام، مشائخ کرام، خوانین عالی مقام اور خواص و عوام کی ایک جماعت کثیر کا دل مائل کر کے مجھ کو اس منصب سے مشرف فرمایا...... چنانچہ روز پنجشنبہ بتاریخ 12 جمادی الآخرۃ 1242ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے...... اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت و ریاست کو تسلیم کیا اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا اور اسی مہینے کی 13 تاریخ کو جو جمعہ کا دن تھا خطبے میں فقیر کا نام داخل کیا۔

(سیرت حضرت سید احمد بریلویؒ صفحہ 531)

جہادی کاروائیاں

بیعت امامت کے بعد کافی تعداد میں دیگر خوانین نے بھی آپ کا ساتھ دیا اور ہندوستان سے امداد رقوم بھی آنے لگیں۔ مجاہدین کی نوآبادیاں بھی قائم ہوئیں۔ آپ داعیوں اور مبلغوں کو مختلف علاقوں میں وعظ و نصیحت کے لیے بھجواتے رہے۔ جنگ شیدو ہونے سے قبل سید صاحب کو زہر بھی دیا گیا

جس سے آپ دوران جنگ کبھی کبھار بے ہوش بھی ہو جاتے۔ اسی دوران جنگ شدید ہو گئی اور یار محمد خان اور درانیوں نے غداری کی اور اسکے میدان جنگ سے بھاگنے کی وجہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوئے اور جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے بعد مختلف مہمات اور شب خون جاری رہے اور مجاہدین کو فتح نصیب ہوتی رہی۔ اسی دوران ہنڈ کا قلعہ بھی فتح ہوا۔ پھر زیدہ کی جنگ ہوئی جس میں یار محمد خان مارا گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامال غنیمت آیا۔ پنجتار میں سید احمد صاحبؒ نے ان علاقوں کے قاضیوں کا تقرر لوگوں کی درخواست پر کیا۔ اسی دوران حضرت سید صاحب نے سکھ لشکر کے مسلمان عہدیداران کو بتیس خطوط لکھے جس میں انہوں نے اسلامی تعلیمات اور جہاد کی حقیقت کے متعلق بتایا۔

پھر پائندہ خاں سے جنگ کے بعد مسلمانوں نے عشرہ اورامب پر بھی فتح حاصل کرلی۔ اگلے روز سید صاحبؒ امب تشریف لے گئے۔ شاہ کوٹ پر قبضہ ہو جانے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دریائے اٹک کے پار کی نولاکھ کی آمدنی کی جاگیر کے عوض مصالحت کی پیشکش کی نیز اپنی فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ پیش کیا۔ لیکن کسی نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔

اسی طرح مختلف جنگیں ہوتی رہیں جیسے جنگ مردان، جنگ مایار، جنگ مظفر آباد وغیرہ جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ لیکن مقامی سرداروں اور خوانین اور مولویوں کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کیونکہ ان کی من مانیاں ختم ہو گئی تھیں اور جو وہ بے دھڑک غیر شرعی کام کرتے تھے ان پر اب پابندیاں تھیں۔ اس لیے انہوں نے بدعہدی کر کے سازشیں شروع کر دیں اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ ان سرداروں نے منصوبہ بنا کر مجاہدین کا قتل عام شروع کر دیا۔ پنجتار میں جہاں سید صاحب مقیم تھے وہاں پر بلوائیوں نے اپنا ڈیرہ جما لیا۔ جس کی وجہ سے سید صاحب کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔

بالاکوٹ اور شہادت

حضرت سید احمد صاحبؒ نے پنجتار سے ہجرت کر کے بالاکوٹ کو اپنا مرکز بنایا جہاں کے سردار آپ کی مدد کے طلبگار تھے اور یہیں سے کشمیر کی طرف بھی بڑھا جا سکتا تھا۔ 24 ذی قعدہ 1246ھ کو شیر سنگھ کی قیادت میں سکھ بالاکوٹ آئے۔ پہلے تو مجاہدین غالب آئے اور سکھوں کو پسپائی ہوئی۔ لیکن

دوسرے حملے میں مجاہدین کی کافی تعداد کے ساتھ حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا۔

تبرکات امام الموحدین حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کا چغہ مبارک جس میں وہ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے ان کی پگڑی، تلوار اور لاٹھی مبارک بونیر میں مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔

ازواج واولاد

حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ نے تین شادیاں کیں۔پہلی سیدہ زہرہ سے جن سے ایک صاحبزادی سیدہ سائرہ پیدا ہوئیں، دوسری شادی اپنے بھائی کی بیوہ سیدہ ولیہ سے اور تیسری شادی زہر خورانی کے بعد اطباء کے مشورہ پر سرحد میں سیدہ فاطمہ سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی سیدہ ہاجرہ ہوئیں۔ حضرت سید صاحب کی صرف دو ہی مذکورہ بالا صاحبزادیاں تھیں۔

چودھویں صدی کے مجدد

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

علیہ السلام

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام

مسیح موعود و مہدی معہود

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام

نام و نسب

مجدد اعظم بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا نام مرزا غلام احمد ہے۔ مرزا کا لفظ مغل قوم سے تعلق کی مناسبت سے مستعمل ہے۔ کنیت ابو محمود احمد تھی۔ آپؑ کے والد ماجد کا نام حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت چراغ بی بی صاحبہؒ تھا۔ آپ فارسی الاصل معروف مغل خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحبؑ ابن حضرت غلام مرتضیٰ صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب۔

مرزا فیض محمد صاحب سے سلسلہ نسب مرزا ہادی بیگ صاحب تک پہنچتا ہے جو امیر تیمور کے چچا حاجی برلاس کی نسل میں سے تھے۔

(سلسلہ احمدیہ از حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے صفحہ 4تا7)

قبل از ولادت بشارت

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت مستمرہ ہے کہ جب بھی دنیا میں ضلالت و گمراہی کا دور دورہ ہوتا ہے اور اپنے خالق حقیقی کو لوگ بھلا بیٹھتے ہیں اور دنیا میں گم ہو جاتے ہیں تو خدائے ہادی عوام الناس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے برگزیدوں کو بھیجتا ہے۔ آخری زمانہ کے دور ضلالت کے خاتمہ کے لیے بھی ایک موعود کے آمد کی خبر یہود، نصاریٰ، ہنود، زرتشتی، بدھ مت غرضیکہ تمام اقوام عالم کی مقدس کتب میں موجود ہے۔ ان پیشگوئیوں سے اس موعود کے زمانہ کا بھی پتہ چلتا ہے جیسا کہ بائبل میں دانیال نبی کی کتاب باب 12 اس کا زمانہ 1290ھ سے 1335ھ کے درمیان ہونے کا ذکر ہے یعنی تیرہویں صدی کا آخر اور چودھویں صدی کا آغاز۔

اسی طرح اسلام میں بھی اس مصلح یعنی مسیح و مہدی کے ظہور کو واضح بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں آیت استخلاف، سورۃ السجدۃ آیت 6 اور سورۃ الجمعہ کی آیت 4 میں مسیح و مہدی کے زمانہ کی تعیین

کا بالصراحت ذکر موجود ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الجمعہ کی مذکورہ آیت کے نزول کے وقت مسیح و مہدی کی آمد کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب ایمان ثریا ستارے پر اٹھ جائے گا تو اہل فارس میں سے ایک شخص یا فرمایا بہت سے اشخاص ایمان کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔"

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ)

صرف یہی نہیں بلکہ آپؑ کی آمد کے وقت رونما ہونیوالے نشانات کی پیشگوئیاں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے ایک اہم ترین چاند اور سورج گرہن کا نشان ہے۔ اس کے علاوہ اولیاء و بزرگان امت کے رؤیا و کشوف میں بھی آپؑ کی آمد کی بشارات بکثرت ملتی ہیں۔

کتب سابقہ، قرآن کریم، احادیث نبویہؐ و اقوال بزرگان و علمائے سلف میں بیان فرمودہ تمام نشانیاں آپؑ کے زمانہ مبارک میں پوری ہوئیں اور چاند سورج کا عظیم الشان نشان آپ کے دعویٰ مسیح و مہدی کے بعد ہی پیشگوئی کے عین مطابق وقوع پذیر ہوا اور اس وقت آپؑ کے علاوہ کسی اور مدعی کا موجود نہ ہونا اس بات پر بین دلیل ہے کہ آپ ہی وہ مسیح و مہدی ہیں جن کے بارہ میں تمام پیشگوئیاں کی گئی تھیں۔ چنانچہ اس مناسبت سے اس مضمون میں چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب علیہ السلام کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطاب سے ذکر کیا جائے گا۔

ولادت باسعادت

حضرت مسیح موعودؑ کی ولادت باسعادت 14 شوال 1250ھ مطابق 13 فروری 1835ء کو بروز جمعۃ المبارک بوقت نماز فجر قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور بھارت میں ہوئی۔ علامہ ابن عربیؒ کی پیشگوئی کے مطابق آپؑ کی پیدائش توام صورت میں ہوئی لیکن ساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی جلد وفات پا گئی۔

(سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ 9)

بچپن اور ابتدائی تعلیم

حضرت مسیح موعودؑ کا بچپن نہایت پاکیزہ تھا۔ آپ خلوت پسند تھے اور سوچ و بچار کرنے کی عادت تھی۔ بچوں کی جلوت میں شمولیت نہ ہونے کے برابر تھے۔ البتہ ایام طفولیت میں بھی آپ کی طبیعت دینی امور کی طرف بہت راغب تھی۔

مشاغل

''حضرت مسیح موعودؑ معتدل اور مناسب ورزش اور تفریح میں ضرور حصہ لیتے تھے۔ آپؑ نے بچپن میں تیرنا سیکھا تھا اور کبھی کبھی قادیان کے کچے تالابوں میں تیرا کرتے تھے۔ اسی طرح گھڑ سواری میں ماہر تھے۔ غلیل سے شکار بھی کھیلا کرتے تھے۔ آپ کئی کئی میل تیز پیدل چلا کرتے تھے جو کہ آپ کا بہترین مشغلہ اور ورزش تھی۔ درستی صحت کی خاطر آپ موگریاں بھی پھیرا کرتے تھے۔

لیکن آپ کا محبوب ترین مشغلہ قیام نماز تھا۔ آپ اپنے ہم عمر بچوں کو کہا کرتے تھے کہ ''دعا کرو کہ خدا مجھے نماز کا شوق نصیب کرے''

(سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ 10)

اس کے علاوہ آپؑ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ نے بیان کیا:

''والد صاحب کا دستور تھا کہ سارا دن الگ بیٹھے پڑھتے رہتے تھے۔ اور ارد گرد کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔''

(سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 193)

ابتدائی تعلیم

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ فرماتے ہیں:

''انگریزوں کی عملداری کے اوائل میں مدارس کا سلسلہ ابھی جاری نہ ہوا تھا اور تعلیم کے لیے عام دستور یہی تھا کہ بڑے بڑے رئیس اور صاحب استطاعت لوگ اپنے گھروں پر استاد بطور اتالیق رکھ لیتے تھے۔ اور خاندانی لوگوں میں تو یہ رواج بہت مدت تک جاری رہا۔ اسی طرح پر مرزا صاحب کی تعلیم کے لیے انتظام کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کے لیے قادیان ہی کے ایک فارسی خوان استاد کو مقرر کیا گیا۔ حضرت مرزا صاحب نے نہایت صاف اور سادے الفاظ میں اپنی تعلیم کا خود تذکرہ کیا ہے......ان کے مکتب کے بعض طالب علم اپنے استاد سید گل علی شاہ صاحب سے کوئی مذاق بھی کر بیٹھتے۔

ان کو حقہ پینے کی بہت عادت تھی اور اسی سلسلہ میں بعض شوخ طالب علم مذاق کر لیتے۔ مرزا صاحب ہمیشہ ان کا ادب و احترام کرتے۔ اور ایسی شرارتوں سے بیزار اور الگ رہتے۔“

(حیاتِ احمدؑ جلد اول صفحہ 80-82)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلّم میرے لیے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر تقریباً دس برس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لیے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صَرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نَحو اُن سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔“

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 179 تا 181 حاشیہ)

عنفوان شباب اور شادی

حضرت مسیح موعودؑ نے جوانی میں قدم رکھا ہی تھا کہ مشرقی خاندانی دستور کے مطابق اندازاً 1850ء یا 1851ء میں آپ کی شادی حرمت بی بی صاحبہ سے ہوگئی لیکن یہ رشتہ مزاج اور میلانات میں بُعد کی وجہ سے زیادہ دیر نہ چل سکا۔ اس شادی سے آپؑ کے دو فرزند صاحبزادہ مرزا فضل احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب پیدا ہوئے۔

اس عمر میں حضرت مسیح موعودؑ کا زیادہ وقت مسجد میں قیام اور مطالعہ میں گزرتا تھا۔ نماز کی ادائیگی آپ کا اولین فریضہ تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر غور و تدبر بہت زیادہ کرتے تھے۔ سفر و حضر میں کوئی موقع مطالعہ قرآن کا نہ چھوڑتے حتیٰ کہ آپ کے والد محترم آپ کو ''مسیتڑ'' کہا کرتے تھے اور فکر مند ہو جاتے کہ آپؑ اپنے اس شغف کی وجہ سے اپنی جان نہ کھو بیٹھیں۔

مقدمات کے لیے اسفار اور سیالکوٹ میں ملازمت

آپؑ کے والد محترم نے آپ کی صحت کے پیش نظر اور مستقبل کی فکر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپؑ کو کوئی ملازمت کرنے یا زمینداری میں ہاتھ بٹانے کا کہا جسے آپ نے بہت ٹالا لیکن پھر والد محترم کے مسلسل اصرار اور فرمانبرداری میں زمینداری کے کام کی نگرانی میں مصروف ہوئے اور خاندانی جائیداد کے تنازعات کے مقدمات کی پیروی کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں آپ کو ڈلہوزی اور لاہور تک سفر کرنے پڑے۔ لیکن اس دور مقدمات میں بھی آپ نے کبھی اپنی نماز قضاء نہ ہونے دی۔

پھر والدِ محترم کی خواہش پر سیالکوٹ میں دفتر ضلع میں کم و بیش چار سال سرکاری ملازمت بھی کی۔ ان چار سالوں میں آپ کی مصروفیات میں ملازمت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے علاوہ عبادت الٰہی و تلاوت قرآن کریم، درس و تدریس و خدمت خلق، بزرگوں سے ملاقات، علمی و دینی گفتگو، مذہبی مناظرے اور علمی مجالس عرفان شامل رہیں۔

دوران عرصہ ملازمت ہر خاص و عام نے آپ کی دینی و اخلاقی لحاظ سے تعریف کی۔ آپ کے مداحین میں حکیم مظہر حسین صاحب، منشی سراج الدین صاحب، شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن آپ کو یہ ملازمت پسند نہ تھی اور اپنے والد محترم سے اس سے مستعفی ہونے کی اجازت طلب فرمایا کرتے تھے۔

والدہ کی وفات پر واپسی

1867ء میں جب حضرت اقدسؑ کی والدہ ماجدہ سخت بیمار ہوئیں تو حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے آپؑ کو استعفیٰ دے کر واپس چلے آنے کا پیغام بھجوایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیغام سنتے

ہی فوراً سیالکوٹ سے روانہ ہوگئے اور راستہ میں ہی آپؑ کو والدہ محترمہ کی وفات کی خبر ملی جس پر آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ فرمایا۔

والد محترم کی وفات

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو آپ کے والد محترم کی وفات سے قبل ہی اطلاع دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی وفات جون 1876ء میں ہوئی۔

ہندوستان میں عیسائیت کا زور اور مسیح کی آمد ثانی

1857ء کے بعد سے ہندوستان میں عیسائیت کے فروغ کے لیے عیسائی پادریوں نے حکومت انگریزی کی سرپرستی میں اپنے مذہب کا خوب پرچار کیا اور اس سے عام لوگ تو ایک طرف چوٹی کے مسلمان علماء بھی عیسائیت کی آغوش میں جا گرے اور اکثر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے وقف ہو کر پادری بن گئے۔ جیسا کہ آگرہ کی شاہی مسجد کے امام خطیب مولوی عمادالدین صاحب ریورنڈ مولوی عمادالدین کہلائے۔ پادری مولوی رجب علی، پادری مولوی سید احمد شاہ، پادری سلطان محمد خان، پادری عبدالحق، پادری عبداللہ آتھم، اور پادری حافظ احمد مسیح دہلوی سب مسلمان مولوی تھے۔ چنانچہ صلیبیت کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے مسیح و مہدی کی آمد کی پیشگوئی فرمائی۔ مسلمان اسلام کو اس فتنے سے بچانے کے لیے نجات دہندہ اور مسیحا کے منتظر تھے۔ ایسے وقت میں رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی کے عین مطابق قوم سلمانؓ سے ایک رجل فارس میدان میں آیا جس نے ایمان کو ثریا سے لا کر دنیا میں قائم کیا اور زندہ مذہب اسلام کی حقانیت اور صداقت کو تمام ادیان باطلہ پر ثابت کر دکھایا اور دشمنان اسلام کو چاروں شانے چت کر دیا۔ وہ جری اللہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی موعودؑ ہیں۔ جنہوں نے 1882ء کے اوائل میں بیت اقصیٰ میں ایک کشف دیکھا کہ ایک باغ لگایا جا رہا ہے اور آپؑ اس کے مالی مقرر ہوئے ہیں۔

(حیات احمد جلد اول حصہ دوم صفحہ 305)

مسجد اقصیٰ قادیان

مسجد مبارک قادیان

مینارۃ المسیح قادیان

قلمی جہاد کا آغاز اور براہین احمدیہ کی تالیف

مسیح و مہدی کا یہ زمانہ قلمی جہاد کا زمانہ تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ مسیح ابن مریمؑ تشریف لائیں گے تو وہ جنگ کو موقوف کر دیں گے۔ چنانچہ اس دور میں عیسائی، ہنود، آریہ وغیرہ اسلام کے خلاف لٹریچر شائع کر کے اپنے اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے اور اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف قسما قسم کے ناجائز الزامات اور موشگافیوں میں مصروف تھے۔ عیسائیت کی تبلیغ کا بنیادی مرکز پنجاب چنا گیا۔ ان نازک حالات میں حضرت مسیح موعودؑ نے براہین احمدیہ جیسی معرکۃ الآراء تصنیف میں اسلام اور بانیٔ اسلام کی صداقت کے سینکڑوں ثبوت پیش کیے اور زندہ خدا کے زندہ نشانات دکھانے کی تمام اہل دنیا کو دعوت دی۔ آپؑ نے کیا ہندو، کیا آریہ، کیا عیسائی، سب مخالفین کو چیلنج دیا کہ وہ اسلام پر اپنے مذہب کی برتری ثابت کر دکھائیں۔ لیکن کسی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپؑ کے اس چیلنج کو قبول کرتا۔

زیارت رسول اللہؐ

رؤیا میں زیارت رسول ﷺ کا سلسلہ تو 1864ء سے شروع ہو چکا تھا۔ اس رؤیا میں رسول اللہ ﷺ نے ایک دینی کتاب آپؑ کے ہاتھ سے لی جو فوراً میوہ بن گئی جب آپ ﷺ نے اسے تقسیم کرنے کے لیے قاش کرنا چاہا تو اس میں سے اس قدر شہد بہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ مرفق تک شہد سے بھر گیا اور ایک مردہ آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے زندہ ہو گیا۔

پھر براہین احمدیہ حصہ سوم کا حاشیہ تحریر فرمانے کے دوران حالت کشف میں آپؑ نے رسول اللہ ﷺ سے زیارت و معانقہ کا شرف پایا اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک سے نور کی کرنیں نکل نکل کر آپؑ کے اندر داخل ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد آپؑ پر الہام الٰہی کا سلسلہ بکثرت شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماموریت کا پہلا الہام نازل ہوا جو کم و بیش ستر فقرات پر مشتمل تھا، جس کا آغاز ”یا احمد بارك الله فيك“ سے ہوا۔

دعویٰ ماموریت و مجددیت

حضرت مسیح موعودؑ نے مارچ 1885ء میں اللہ تعالیٰ سے حکم پاکر اپنے مامور اور مجدد وقت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوئے ہیں تا نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کی طرف پر کمال مسکینی، فروتنی، غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لیے کوشش کریں نیز یہ کہ آپ کو جناب الٰہی سے یہ علم بھی دیا گیا ہے کہ آپ مجدد وقت ہیں اور روحانی طور پر آپ کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور آپؑ کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت و متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل ﷺ ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔

(تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 253)

23/مارچ جماعت احمدیہ کی بنیاد

آپؑ کی اسلام کے لیے خدمات جلیلہ کی وجہ سے آپؑ کے معتقدین یہ بات جانتے تھے کہ اس زمانہ میں اگر کوئی اسلام کو دوبارہ قائم کر سکتا ہے تو وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہی ہیں۔ اگرچہ مخلصین کے دلوں میں آپ کی بیعت کی تحریک جاری تھی۔ لدھیانہ کے ایک بزرگ حضرت صوفی احمد جان صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ پر حسن اعتقاد رکھتے تھے نے فرمایا:

ہم مریضوں کی ہے تمہی پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

اسی طرح مولوی عبد القادر صاحب نے حضرت اقدسؑ سے بیعت لینے کا کہا مگر آپؑ کا یہی جواب ہوتا: لَسْتُ بِمَاْمُوْرٍ (یعنی میں مامور نہیں ہوں) لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو بیعت لینے کا واضح حکم ملا تو یکم دسمبر 1888ء کو آپ نے ''تبلیغ'' کے نام سے اشتہار میں بیعت کا اعلان فرمایا۔ اس اشتہار میں آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ استخارہ کے بعد بیعت کے لیے حاضر ہوں۔ اس اعلان میں حضرت مسیح موعودؑ نے بیعت کے لیے معین رنگ میں کوئی خاص شرائط تحریر نہیں فرمائی تھیں۔ مگر جب حضرت مصلح موعودؓ کی 12 جنوری 1889ء کو ولادت ہوئی تو آپ نے 12 جنوری 1889ء کو تکمیل تبلیغ کا اشتہار تحریر

فرمایا اور اس میں دس شرائط بیعت تجویز فرمائیں۔ اس لحاظ سے جماعت احمدیہ اور پسر موعود حضرت مصلح موعودؓ کی پیدائش توام (جڑواں) ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا دعوی مسیحیت

1890ء کے آخر میں حضرت مسیح موعودؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ منکشف ہوا کہ حضرت مسیح ناصری جن کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے وہ وفات پا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو ان کا مثیل بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے اس بارہ میں دو کتب "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" تصنیف فرمائیں جن میں حضرت مسیح ناصری کے آسمان سے بجسد عنصری نزول کے عقیدہ کا ردّ کر کے وفات مسیحؑ ثابت کرتے ہوئے اپنے دعویٰ مسیحیت کا اعلان فرمایا۔

فتویٰ تکفیر اور طوفان بدتمیزی

رسالہ فتح اسلام اور توضیح مرام میں دعویٰ مسیح موعودؑ پڑھ کر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب آگ بگولا ہو گئے اور جو عقیدت وہ حضرت مسیح موعودؑ سے رکھتے تھے وہ ہوا ہو گئی اور وہ آپؑ کی مخالفت کے درپے ہو گئے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی مخالفت اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ مسلمانوں تک پہنچائی جس سے ملک بھر میں مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے مخالفت کی بناء پر ان دونوں رسالہ جات کی عبارتوں میں قطع و برید کر کے اول المکفرین بن کر ایک استفتاء تیار کیا اور ہندوستان کے علماء کے پاس جا کر اس کے حق میں فتاویٰ حاصل کیے۔ بعض نیک صفت علماء نے اس کی

تردید بھی کی لیکن مولوی صاحب موصوف نے ان کا نام از خود لکھ لیا۔ الغرض مولوی صاحب موصوف اور ان کے حامی علماء کے ان فتاویٰ تکفیر کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی اور ان مخالف علماء نے حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ہر قسم کی مخالفت میں پیش پیش رہے حتیٰ کہ قتل تک کی سازش کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک برگزیدہ نبی کو ان تمام ناپاک منصوبوں سے محفوظ رکھا۔

پادریوں کو وفات مسیح کے متعلق تبادلہ خیالات کی دعوت

حضرت مسیح موعودؑ نے 20 مئی 1891ء کو پادریوں کے لیے وفات مسیح کے بارہ میں تبادلہ خیالات کی دعوت کا اشتہار دیا۔ لیکن آپ کے مقابل پر کوئی پادری نہ آیا۔

مسلمان علماء کو تحریری مباحثہ کی دعوت

پھر آپؑ نے 26 مارچ 1891ء کو ہندوستان کے معروف علماء بالخصوص مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی عبد الجبار غزنوی، مولوی عبد الرحمٰن صاحب لکھوکے، مولوی شیخ عبد اللہ تبتی، مولوی عبد العزیز صاحب لدھیانوی، مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری وغیرہ کو تحریری مباحثہ کی دعوت اور چیلنج دیا کہ اگر میرا دعویٰ قال اللہ اور قال الرسولؐ کے خلاف ہے اور ایک عام جلسہ میں آپ مجھ سے تحریری مباحثہ نہ کریں تو آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے راستباز بندوں کی نظر میں مخالف ٹھہریں گے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 400)

لیکن کسی مولوی نے آپ کے اس چیلنج کو قبول نہ کیا۔ البتہ بعد میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے لدھیانہ آکر شور مچایا کہ مرزا صاحب کو چاہیے کہ مجھ سے مباحثہ کرلیں۔ حضرت مسیح موعودؑ تو پہلے ہی دعوت مباحثہ دے چکے تھے۔ چنانچہ مباحثہ لدھیانہ 20 سے 29 جولائی 1891ء دس روز تک جاری رہا۔ لدھیانہ کے لوگوں نے وفات وحیات مسیح پر بحث کرنے پر اصرار کیا اور حضرت مسیح موعودؑ نے بھی یہی فرمایا کہ مباحثہ وفات وحیات مسیح پر ہونا ضروری ہے لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اس موضوع کی

طرف آنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ پس وہ اس طرف نہ آئے اور مولوی صاحب کو اس مباحثہ میں شکست فاش ہوئی۔

سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور شمس العلماء مولوی عبد الحق صاحب کو دعوت مباحثہ

12 کتوبر 1891ء کو حضرت مسیح موعودؑ نے شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین صاحب اور شمس العلماء مولوی عبد الحق صاحب حقانی کو تحریری بحث کی دعوت دی۔ اور حلفیہ اقرار بھی کیا کہ اگر اس بحث میں میں غلطی پر ثابت ہوا تو اپنے اس دعویٰ سے دستبر دار ہو جاؤں گا۔ لیکن ان دونوں علماء نے معذرت کر لی۔

علماء کو روحانی مقابلہ کی دعوت

دسمبر 1891ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے تمام علماء، مولویوں، صوفیاء، پیروں، سجادہ نشینوں وغیرہ کو روحانی مقابلہ کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر ایک سال کے عرصہ میں کوئی فریق وفات پا جائے تب بھی وہ مغلوب سمجھا جائے گا۔

مخالفین کا انجام

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ مامورین کے مخالفین ہمیشہ خائب و خاسر ہی ہوئے ہیں۔ اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعودؑ کے مخالفین کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ آپؑ کو الہام ہوا تھا کہ انی مھین من اراد اھانتک چنانچہ آپؑ کے تمام مخالفین آپؑ کے زندگی میں ہی ناکام و نامراد ہوئے اور اشد مخالفین اپنے انجام کو پہنچے جن کا تفصیلی ذکر جماعتی لٹریچر میں موجود ہے۔

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے متبعین کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ فرمایا اور جماعت کو غیر معمولی ترقیات سے نوازا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اسلام کا احیائے نو ہوا اور اسلام کا پیغام دنیا کے کونوں تک پہنچا اور بادشاہوں نے اس سے برکت حاصل کی۔

رمضان میں کسوف و خسوف کا نشان اور دیگر تائیدی نشانات

1894ء میں ماہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی اور صلحائے امت کی پیش خبریوں کے عین مطابق چاند اور سورج گرہن کا نشان ظاہر ہوا جو حدیث میں بیان کردہ تاریخوں کے عین مطابق تھا۔

اس نشان کا ہر خاص و عام نے تذکرہ کیا اور اس کے نتیجہ میں ایک کثیر تعداد نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی سعادت پائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت میں اور بھی کثیر تائیدی نشانات ظہور میں آئے جن میں زلازل کا آنا، طاعون اور دم دار ستارہ کا طلوع ہونا اور شہب ثاقبہ کا گرنا اور ذرائع رسل و رسائل کا ایجاد ہونا، اونٹوں کا سواری کے لیے استعمال ترک ہونا اور نئی ایجادات کا ظہور پذیر ہونا وغیرہ شامل ہیں۔

دوسری شادی اور مبشر اولاد

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو 1881ء میں نئی شادی کی بشارت عطا فرمائی۔ چنانچہ 1884ء میں آپؑ کی دوسری شادی خواجہ محمد ناصرؒ کے خاندان میں حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی کی صاحبزادی محترمہ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ سے ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے آنیوالے موعود کے بارہ میں یہ پیشگوئی بھی فرمائی تھی کہ وہ جب آئے گا تو شادی بھی کرے گا اور اس کی اولاد بھی ہوگی۔ پیشگوئی میں ان دونوں امور کا خصوصی ذکر کرنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ یہ شادی اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی اولاد غیر معمولی صفات کی حامل ہوگی۔ چنانچہ حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کے بطن سے حضرت مسیح موعودؑ کے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام بالترتیب یہ ہیں:

1۔ صاحبزادی عصمت

2۔ بشیر اول

3۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ

4۔ صاحبزادی شوکت

5۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ

6۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ

7۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ

8۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحبؓ

9۔ صاحبزادی سیدہ امتہ النصیر صاحبہ

10۔ حضرت صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہؓ

حضرت مسیح موعودؑ کی یہ تمام اولاد مبشر اولاد تھی ان سب کی پیدائش سے قبل الٰہی بشارات دی گئی تھیں۔

خلافت کی پیشگوئی

1905ء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو وفات کے متعلق پیشگی خبر دے دی تھی اور اس بارہ میں مختلف رؤیا اور الہامات ہوئے۔ ان الٰہی خبروں کی بناء پر آپؑ نے 20 دسمبر 1905ء کو رسالہ ''الوصیت'' شائع فرمایا جس میں ان الہامات کا ذکر فرما کر جماعت کو اپنے اندر ایک روحانی انقلاب پیدا کرنے کی تلقین فرمائی اور اپنے بعد قدرت ثانیہ یعنی نظام خلافت کے قیام کی بشارت دی۔

آخری سفر لاہور

حضرت مسیح موعودؑ 27 اپریل 1908ء کو قادیان سے بٹالہ روانہ ہوئے۔ وہاں ایک یوم قیام کے بعد 29 اپریل کو لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور میں آپؑ دن رات اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ زائرین کو شرف ملاقات بخشتے، مجالس عرفان میں پُر معارف نکات بیان فرماتے۔ تمام مذاہب کے رؤساء اور سیاسی لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں نے آپؑ سے فیض پایا۔ سعید فطرت لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت پائی۔

دعویٰ نبوت کی وضاحت

17 مئی 1908ء کو لاہور کے رؤساء و امراء، وکلاء و بیرسٹروں اور اخبارات کے ایڈیٹروں کو دعوت پر مدعو کیا گیا جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دعویٰ نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا اخفاء نہیں کر سکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے اور خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اس کا نام نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں...... یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے۔ دیکھو حضرت عائشہؓ کا یہ قول کہ قولوا انہ خاتم النبیین ولا تقولوا

لا نبی بعدہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے۔ نبوت اگر اسلام میں موقوف ہوچکی ہے تو یقین جانو کہ اسلام بھی مر گیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔"

(الحکم 14 جولائی 1908ء صفحہ 12 کالم نمبر 1-2)

اخبار عام نے آپؑ کے اس لیکچر کو غلط رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا کہ مرزا صاحب نے جلسہ میں اپنی نبوت سے انکار کیا ہے جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک مفصل تردیدی خط لکھا جس میں فرمایا کہ "یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت ﷺ کے اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر کتاب میں ہمیشہ میں یہ لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے...... انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے"

(بدر 11 جون 1908ء صفحہ 10 کالم 1-2)

25 مئی 1908ء کو آپؑ نے جو آخری تقریر کی اس کے آخر میں فرمایا:

''عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔''

(بدر 11 جون 1908ء، الحکم 18 جولائی 1908 صفحہ 7-8)

وصال

25 مئی 1908ء کو حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت ناساز ہوئی اور 26 مئی 1908ء بروز منگل سوا تہتر سال کی عمر میں آپؑ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپؑ کے آخری الفاظ یہ تھے کہ ''اللہ میرے پیارے اللہ''۔ آپؑ کی وفات کے بعد حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحبؓ جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفۃ المسیح منتخب ہوئے۔ بیعت خلافت کے بعد حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے مملوکہ باغ میں کنوئیں کے قریب نماز جنازہ پڑھائی۔ حضورؑ کا مزار مبارک کچا رکھا گیا اور قبر کے سرہانے چونے کی دیوار پر سیاہی سے عارضی طور پر یہ الفاظ لکھ دیئے گئے: ''جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رئیس قادیان مسیح موعود و مجدد صدی چہاردہم تاریخ وفات 26 مئی 1908ء''۔ خلافت ثانیہ میں بارشوں کی وجہ سے جب سیاہی دھل گئی تو سنگ مرمر کا کتبہ نصب کیا گیا۔

(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 559)

معرکۃ الآراء تصانیف

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ آنیوالے موعود کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ آکر جنگ وجدال کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ نے تلوار کے جہاد سے ممانعت فرمائی اور قلمی جہاد کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ آپؑ نے خود اسلام اور بانیٔ اسلام کی صداقت اور جملہ دینی و اخلاقی و معاشی و معاشرتی امور کے متعلق ایسی مایہ ناز معرکۃ الآراء تصانیف تالیف فرمائیں جن میں ایسے پُر معارف نکات بیان فرمائے جنہوں نے متلاشیان حق کو راہ راست پر گامزن کیا اور دیگر مذاہب کی تعلیمات میں مرور زمانہ سے پیدا ہونیوالے سقم کی نشاندہی فرمائی اور اسلامی تعلیمات کی برتری ان پر ثابت فرمائی۔ آپؑ نے 85 سے زائد تصانیف تحریر فرمائیں۔

تجدیدی کارنامے

حضرت بانئ جماعت احمدیہؑ جن کا دعویٰ مسیح موعودؑ، مجدد صدی چہاردہم اور امتی نبی ہونے کا ہے۔ آپ نے دین اسلام کی اشاعت اور اصلاح خلق کے لیے اپنا تن من دھن نچھاور فرما دیا۔ پیشگوئی میں مذکور بیماریوں کے باوجود آپؑ نے اسلام کی ایسی خدمات جلیلہ کیں کہ غیروں نے بھی اس کا برملا اعتراف کیا۔ آپؑ نے مسلمانوں کے ایسے عقائد جو مرورزمانہ اور مختلف فتنوں کی وجہ سے غلط رواج پاگئے تھے ان کی الٰہی رہنمائی سے اصلاح فرمائی۔ امت مسلمہ میں جاری بدعات کا خاتمہ کیا اورانہیں شریعت محمدیہؐ پر گامزن کیا۔ آپ نے دیگر ادیان کے لوگوں کو حقیقی اور سچے مذہب اسلام کی طرف دعوت دی۔ خدا کے منکرین کو خدا کی ہستی کے دلائل دے کر سچے خدا کے وجود کو ثابت کیا۔ اسلامی شریعت کو تمام شریعتوں پر برتر و بالا قرار دیا۔ اور اس مقصد کے لیے آپ نے ہندوستان کے بہت سے شہروں کے سفر کیے اور لیکچرز دیئے۔ اس کے علاوہ تبلیغ ہدایت کے لیے تمام ذرائع استعمال فرمائے۔ اشتہارات کا شائع فرمانا اور رسالہ جات تحریر فرمانا بھی ایک اہم ذریعہ تبلیغ رہا۔ پھر اخبارات ریویو آف ریلیجنز وغیرہ کا اجراء فرمایا جن کے ذریعہ اسلام کا پیغام مغربی ممالک تک پہنچا۔ اپنے مریدین کی روحانی تربیت کے لیے جلسہ سالانہ کا آغاز فرمایا۔

حکام وقت کو دعوت اسلام دیتے ہوئے ان کو تبلیغی خطوط تحریر فرمائے اور امن وامان کے قیام کے لیے عوام کو حکومت کی اطاعت در معروف کی تلقین فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ہر جہت سے عوام الناس کی رہنمائی فرمائی اور اپنے متبعین کو امن پسند جماعت کے طور پر پیش کیا۔ قادیان جو ایک چھوٹی سی بستی تھی وہ آپؑ کی بدولت مرجع خاص و عام ہو گیا۔

آپؑ کے اخلاق و شمائل قال اللہ اور قال الرسولؐ کے عین مطابق تھے۔ جن کا بیان ایک الگ طویل مضمون کا متقاضی ہے۔ یہاں بس اس قدر ذکر کر دینا مناسب ہے کہ آپ اپنے آقا و مطاع ﷺ کی True Copy تھے۔

غرضیکہ آپ نے تمام جہانوں کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حقیقی متبع بن کر اور قرآنی شریعت پر عمل کر کے تمام دنیا کی ہدایت و رہنمائی کا بیڑا اٹھایا اور تمام قوموں کی نجات کا ذریعہ بنے اور

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حقیقی بروز کامل، امتی نبی اور امت موسویہ میں چودھویں صدی پر آنے والے حضرت عیسیٰ ؑ کے حقیقی مثیل ثابت ہوئے۔

آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر لاتعداد عظیم الشان پیشگوئیاں فرمائیں جو آپؑ کے بابرکت زمانہ میں بھی پوری ہوئیں اور آپؑ کی وفات سے آپ کے خلفائے کے دور خلافت میں بھی اب تک پوری ہو رہی ہیں اور خلافت خامسہ کے تاریخ ساز عہد خلافت میں جماعت کی عظیم الشان ترقیات دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غلبہ اسلام کی پیشگوئی بھی ان شاء اللہ جلد پوری ہونے والی ہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

۞۞۞۞

مزار مبارک حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت حضرت خواجہ میر دردؒ کی خبر

”اس نیر اعظم کے نور میں سب فرقوں کے ستاروں کی روشنی گم ہو جائے گی“

(میخانہ درد صفحہ 128)

مضامین کے لنکس

1۔ پہلی صدی ہجری کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

https://www.alfazlonline.org/17/06/2020/20660/

2۔ دوسری صدی ہجری کے مجدد حضرت امام شافعیؒ

https://www.alfazlonline.org/19/06/2020/20723/

3۔ تیسری صدی ہجری کے مجدد حضرت ابو لحسن اشعریؒ

https://www.alfazlonline.org/27/06/2020/21050/

4۔ چوتھی صدی ہجری کے مجدد حضرت ابو بکر باقلانیؒ

https://www.alfazlonline.org/04/07/2020/21323/

5۔ پانچویں صدی ہجری کے مجدد حضرت امام ابو حامد غزالیؒ

https://www.alfazlonline.org/11/07/2020/21538/

6۔ چھٹی صدی ہجری کے مجدد حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ

https://www.alfazlonline.org/18/07/2020/21842/

7۔ ساتویں صدی ہجری کے مجدد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

https://www.alfazlonline.org/25/07/2020/22169/

8۔ آٹھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

https://www.alfazlonline.org/08/08/2020/22748/

9۔ نویں صدی ہجری کے مجدد حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ

https://www.alfazlonline.org/15/08/2020/23169/

10۔ دسویں صدی ہجری کے مجدد حضرت امام محمد بن طاہر پٹنیؒ

https://www.alfazlonline.org/22/08/2020/23440/

11۔ گیارہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

https://www.alfazlonline.org/10/10/2020/25396/

12۔ بارہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

https://www.alfazlonline.org/17/10/2020/25676/

13۔ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت سید احمد بریلویؒ

https://www.alfazlonline.org/25/02/2022/55084/

14۔ چودہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ

https://www.alfazlonline.org/13/08/2022/66390/

ادارہ الفضل آن لائن کی دیگر کتب

1. اسلامی اصطلاحات کا بر محل استعمال
2. ارشادات حضرت مسیح موعودؑ بابت مختلف ممالک و شہر
3. جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں خلافت خامسہ کا عظیم الشان کردار اور معیت الٰہی
4. ارشادات نور
5. کتاب تعلیم کی تیاری
6. ذیلی تنظیموں کا تعارف اور ان کے مقاصد
7. مجدد دین اسلام۔ تعارف وکارہائے نمایاں
8. میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا (زیر تکمیل)